بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی☆

عہدِ رسالت میں صحابہؓ کی فقہی تربیت

اوراس کے نتائج وثمرات

﴿۲﴾

"عہدِ رسالت میں صحابہؓ کی فقہی تربیت اوراس کے نتائج وثمرات" کی سرگزشت 'السیرہ عالمی شمارہ نمبر۶ میں آپ کی نظر سے گزری، وہ خیرالقرون کی پہلی قسط تھی جو خیرالقرون کی دو اہم کڑیوں عہد رسالت اور عہد صحابہؓ پر محیط تھی۔

اس سلسلے کی دوسری قسط اوراس کی تیسری اہم کڑی عہد تابعین (۱) پر مشتمل ہے۔ یہ گونا گوں پہلو رکھتی ہے اس میں بحث کی زیادہ گنجائش ہے، بعض جامعات میں اس کے بعض پہلوؤں پر تحقیقی کام ہوا بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عہد صحابہؓ میں پانچ صحابہؓ نے احکام پر کام کیا، دو صحابہؓ میں کسی اور صحابی سے اس میں شرکت منقول نہیں، اسی طرح عہد تابعین میں امام ابوحنیفہؒ پہلے تابعی ہیں جن سے شریعت کے تمام ابواب کی تشکیل و تدوین کتابی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یہ کام قدرت کی طرف سے انہی کے لئے مقدر تھا، وہی احکام شریعت کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ چنانچہ نقد حدیث ورجال کے اپنے وقت کے مشہور عالم یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰۔۱۹۸ھ/ ۷۳۷۔۸۱۳ء) امام ابوحنیفہؒ کے متعلق فرماتے تھے:

إنّه و اللّٰہ اعلم ھذہ الامة بما جاء عن اللّٰہ و رسولہ(۲)

واللہ امام ابوحنیفہؒ اس امت میں اللہ اور اس کے رسول کی لائی ہوئی شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

چنانچہ فقہی خدمت کی یہ سعادت دوسرے قرون میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے حصہ میں آئی، مفتی مشرق محدث وفقیہ خلف بن ایوب بلخیؒ (۱۳۹۔۲۰۵ھ) فرماتے تھے:

صار علم من اللّٰه تعالٰی الی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ثم صار إلی أصحابه ثم صار إلی التابعین، ثم صار إلی ابی حنیفة و اصحابه فمن شاء فلیرض و من شاء فلیسخط۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، پھر وہ علم رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابۂ کرامؓ میں آیا پھر صحابہؓ سے تابعینؒ میں پھیلا، پھر تابعین میں یہ علم امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں میں آیا، سو جو چاہے اس (حقیقت) پر خوش ہو اور جو چاہے اس پر ناراض ہو۔

اس تاریخی حقیقت کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها أنه اوّل من دوّن علم الشریعة ورتّبه ابواباً ثم تبعه مالک بن انس فی ترتیب الموطاء ولم یسبق اباحنیفة احد۔ (۴)

امام ابوحنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ یکتا و منفرد ہیں، ایک یہ ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالکؒ نے موطاء کی ترتیب میں ان کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

ان وجوہ سے اس دوسری قسط میں فقہائے تابعین کی مجتہدانہ سرگرمیوں کی مختصر نشاندہی کے بعد عہد تابعین میں امام ابوحنیفہؒ کے فن حدیث، فقہ، رجال میں علمی خدمات و مقام اور اسلامی قلمرو میں ان کے علمی و تحقیقی ورثے کے ثمرات ونتائج کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تابعینؒ کی مجلس میں فقہی مسائل میں مذاکرہ

اس سنت متواترہ ومتوارثہ پر تابعینؒ کے دور میں عمل جاری رہا، چنانچہ مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے تاریخ الاسلام میں نامور محدث فضیل (۵) بن غزوان ضبی کوفی المتوفی بعد ۱۴۰ھ/۷۵۷ء کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

کنانجلس انا ومغیرہ (۶) وعدد ناسا نتذاکر الفقه فربمالم نقم حتی نسمع النداء لصلاۃ الفجر۔ (۷)

ہماری رات میں بیٹھک رہتی تھیں اور مغیرہ ابن مقسم ضبی المتوفی ۱۳۳ھ اور چند اہل علم کا نام اور لیا، سب فقہی مسائل میں مذاکرہ کرتے اور بسا اوقات اس مجلس سے کوئی اٹھتا نہیں، تا آنکہ فجر کی اذان سنتے اور نماز فجر کے لئے اٹھتے تھے۔

رائے (فقہی بصیرت) اور مطالب ومعانی حدیث میں ربط وتلازم

وہ مجتہدین وفقہائے امت جنہوں نے اس سنت متواترہ ومتوارثہ کی آبیاری کی اور اسے زندہ رکھا، انہی پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے، تذکرہ ورجال کی کتابوں میں انہیں "اصحاب الرائی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ سنت کو چھوڑ کر رائے پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہی مجتہدین وفقہا سنت وآثار کے معانی ومطالب کو بہتر سمجھتے، اور وہ ان کی نسبت ان پر عمل بھی زیادہ کرتے ہیں، ان مجتہدین وفقہا کے معانی ومطالب حدیث کو بغور سمجھنے کا اعتراف امام بخاریؒ کے نامور شاگرد امام ترمذی کو ہے، وہ فرماتے ہیں:

"**وهم (الفقهاء) اعلم بمعانی الحدیث**" وہ فقہاء معانی حدیث کو بہتر طور پر جانتے سمجھتے ہیں۔

اور سنت پر عمل کے زیادہ دلدادہ ہیں، اس لئے کہ فقہی بصیرت اور معانی حدیث کی تفہیم میں گہرا ربط وتلازم ہے۔ ان کا بنیادی اصول یہ ہے:

لایستقیم العمل بالحدیث الا بالرائی، ولا یستقیم العمل بالرائی الاّ بالحدیث،

رائے (فقہی بصیرت) کے بغیر حدیث پر عمل درست نہیں ہوتا، اور حدیث کے بغیر فقہی بصیرت درست نہیں ہوتی، اس اصول کی طرف امام محمدؒ نے کتاب ادب القاضی میں رہنمائی کی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں ارباب اصول فقہ اور فقہا یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ائمہ احناف کا سنت پر عمل دوسرے ائمہ مجتہدین کی نسبت سے زیادہ ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی، ''اصول السرخسی'' میں رقم طراز ہیں:

قال (محمد بن الحسن في ادب القاضي) لا يستقيم العمل بالحديث الاّ بالرای، ولا يستقيم العمل بالرأی الّا بالحديث، وأصحابنا هم المتمسكون بالسنة والرأی الحقيقة، فقد ظهر منهم من تعظيم السنة مالم يظهر من غيرهم ممن يدعی أنه صاحب الحديث، لأنهم جوزوا نسخ الكتاب بالسنة لقوة درجتها، وجوزوا العمل بالمراسيل، وقدموا خبر المجهول على القياس، وقدموا قول الصحابی على القياس، لأن فيه شبهة السماع من الوجه الذی قررنا، ثم بعد ذٰلک كله عملوا بالقياس الصحيح وهو المعنى الذی ظهر أثره بقوة فأما الشافعی رحمه الله حين لم يجوز العمل بالمراسيل فقد ترک كثيراً من السّنن، وحين لم يقبل رواية المجهول فقد عطل بعض السنة أيضاً، وحين لم يرتقليد الواحد من الصحابة فقد جوز الإعراض عما فيه شبهة السماع، ثم جوّز العمل بقياس الشبه وهو ممّالا يجوز أن يضاف إليه الوجوب بحال فما حاله إلا كحال من لم يجوز العمل بالقياس أصلاً، ثم يعمل باستصحاب الحال فحمله ماصار إليه من الاحتياط على العمل بلا دليل وترک العمل بالدليل، وتبين أن أصحابنا هم القدوة في أحكام الشرع أصولها وفروعها، وأن بفتواهم اتضح الطريق للناس ألا أنه بحرٌ عميق لايسلكه كل سابح، ولا يستجمع شرائطه كل طالب، والله الموفق، (۸)

امام محمدؒ نے ادب القاضی میں تصریح کی ہے کہ حدیث پر عمل فقہی بصیرت کے بغیر درست نہیں ہوتا، اور حدیث کے بغیر فقہی بصیرت درست نہیں حقیقت میں ہمارے اصحاب (متقدمین ائمہ حنفیہؒ) نے سنت پر عمل کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے، چنانچہ حدیث شریف کی تعظیم وتکریم جیسی ان سے ظاہر ہوتی ہے اور اصحاب الحدیث سے ظاہر نہیں ہوتی، اس امر کی دلیل یہ ہے۔ کہ ا۔انہوں نے (اصحاب الرائے) نے سنت کو اتنا قوی درجہ دیا ہے کہ اس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز سمجھا ہے۔۲۔مرسل روایتوں پر عمل درست قرار دیا۔ ۳۔مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر مقدم کیا ہے۔۴۔صحابیؓ کے قول کو قیاس پر فوقیت دی، اس لئے کہ صحابیؓ کے قول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کا احتمال برابر برقرار ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد بھی ۵۔انہوں (فریق مخالف امام شافعیؒ) نے قیاس صحیح پر عمل کیا اور یہ وہ بات ہے جس کا اثر اپنی قوت کے ساتھ نمایاں ہے (اس کے برعکس حدیث پر عمل کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ مرسل روایتوں پر عمل جائز قرار نہیں دیتے، چنانچہ انہوں نے حدیث وسنت کے بڑے ذخیرے پر عمل چھوڑ رکھا ہے اور اسے ناقابل عمل قرار دے رکھا ہے۔انہوں نے خیر القرون کے مجہول راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا، اس طرح بعض سنتوں پر عمل معطل کیا۔امام موصوف نے جب صحابہؓ میں سے کسی صحابی کی تقلید کو روا نہیں رکھا تو انہوں نے سماع کے شبہ سے صرف نظر کی اور قیاس شبہ پر عمل کو جائز رکھا۔حالانکہ یہ ان باتوں میں سے ہے کہ کسی حال میں وجوب کی نسبت اس کی طرف کرنا جائز نہیں، اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جو قیاس پر عمل کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتا، پھر امام موصوف ''استصحاب حال (۹)''، پر عمل کرتے ہیں۔

موصوف کا استصحاب حال کو اختیار کرنا دلیل کے بغیر احتیاط پر عمل کرنا ہے اور ترک عمل دلیل سے ہوتا ہے۔اس سے ظاہر ہوا کہ ہمارے اصحاب احکام شرع کے اصول وفروع میں پیشوا و رہنما ہیں اور ان کے فتوے سے لوگوں کے لئے شریعت کا راستہ کھلا ہے تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ ایک گہرا سمندر ہے، ہر تیراک اس سمندر میں تیر نہیں پاتا اور نہ ہر طالب اس کی شرائط کو پورا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا ہے۔

فخر الاسلام بزدوی، کنز الوصول میں تحریر فرماتے ہیں:

واصحابنا: هم السابقون فى هذا الباب (أى التفقه فى الحديث) ولهم الرتبة العليا و الدرجة القصوىٰ فى علم الشريعة، وهم

الربانيون في علم الكتاب والسنة و ملازمة القدوة، وهم أصحاب الحديث والمعاني، اما المعاني فقد سلم لهم العلماء حتى سموهم "اصحاب الرأى" والرأى اسم للفقه الذى ذكرناهم، وهم اولى بالحديث ايضاً، ألاترى أنهم جوّزوا نسخ الكتاب بالسنة، لقوة منزلة السنة عندهم، و عملوا بالمراسيل تمسكا بالسنة والحديث و رأوا العمل به مع الارسال أولى من الرأى ومن رد المراسيل فقد ردّ كثيراً من السنة، و عمل بالفرع بتعطيل الأصل۔ وقدموا رواية المجهول على القياس، و قول الصحابي على القياس، وقال محمد رحمه الله تعالى في كتاب أدب القاضي: لايستقيم الحديث إلا برأى، ولا يستقيم الرأى إلا بالحديث حتى أن منَ لايحسن الحديث اوعلم الحدث، ولا يحسن الرأى فلايصلح للقضاء والفتوى وقد ملأكتبه' من الحديث، ومن استراح بظاهر الحديث عن بحث المعاني ونكل عن ترتيب الفروع على الاصول انتسب إلى ظاهر الحديث(۱۰)

ہمارے اصحاب وہ ہیں جنہیں اس باب (فقہ حدیث) میں بلند رتبہ اور اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے اور وہی علمائے ربانی کتاب وسنت کے علم میں لائق اقتدا ہیں اور وہی "اصحاب الحدیث" ہیں جو حدیث کے معانی سمجھتے ہیں، حدیث کے معانی کا فہم وادراک انہی علما کا حق تسلیم کیا گیا ہے، چنانچہ ان کو "اصحاب الرأی" کے نام سے یاد کیا گیا اور وہ رائے اس فقہ کا نام ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ معانی حدیث کے سمجھنے والے ہی اصحاب الحدیث کہلانے کے زیادہ لائق ہیں۔

کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ ان کے یہاں سنت کا مرتبہ اتنا قوی ہے کہ انہوں نے سنت سے کتاب اللہ کا نسخ جائز قرار دیا۔ اور انہوں نے سنت وحدیث سے استدلال کرتے

ہوئے ''مراسیل'' پر عمل کیا اور مرسل حدیث پر عمل کرنا رائے سے بہتر سمجھا۔ اور جس نے مراسیل کو نظر انداز کیا، اس نے سنت کے بہت بڑے حصے کو چھوڑ دیا اور اصل کو چھوڑ کر فرع پر عمل کیا، اس نے حدیث کو جو اصل ہے چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا، جو فرع کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر مقدم کیا۔ انہوں نے صحابی کے قول کو قیاس پر فوقیت دی۔ امام محمدؒ نے کتاب ادب القاضی میں تصریح کی ہے کہ:

لایستقیم الحدیث الا بالرأی ولا یستقیم الرأی إلا بالحدیث،

حدیث کا مطلب و منشا رائے و فقہی بصیرت کے بغیر صحیح طور پر سمجھا نہیں جاتا اور رائے و قیاس، حدیث کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جو حدیث کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتا اور علم حدیث میں مہارت حاصل نہیں کر پاتا، اس کی رائے و قیاس درست نہیں، وہ قضا اور فتوے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگرچہ اس نے اپنی کتابوں کو حدیث سے بھرا ہوا ہو، اور جو معانی حدیث میں بحث و نظر کے بغیر ظاہر حدیث پر مطمئن ہو گیا اور اس نے فروع کو اصول کے تحت ترتیب دینے سے منہ موڑ، اسے ظاہری کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کسی ایسے عالم کو منصب افتا و قضا کا اہل نہیں سمجھتے جو فقہ و حدیث میں بصیرت نہ رکھتا ہو، چنانچہ امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ مختصر الطحاوی میں رقم طراز ہیں:

اور ایسے عالم کو قاضی بنانا مناسب ہے جس کی ۱۔پاک دامنی، ۲۔صلاح، ۳۔فہم و فراست قابل اعتماد ہو، ۴۔سنت و آثار کا علم رکھتا ہو، ۵۔(جس کی) وجوہ فقہ کی معرفت قابل اعتماد ہو۔ ایسے صاحب رائے عالم کو قاضی نہ بنائیں جسے سنت و احادیث کا علم نہ ہو اور نہ ایسے حدیث داں کو جسے فقہ کا علم اور فقہ میں بصیرت نہ ہو، اور جو عالم مذکورہ بالا صفات سے آراستہ ہو وہ فتویٰ نہ دے اور فتویٰ دے تو صرف ایسی بات کا جسے اس نے (تحقیق سے) سنا ہو۔(۱۱)

امام محمد نے جس بات کی طرف کتاب ادب القاضی میں اشارہ و تنبیہ کی ہے کہ رائے کے بغیر حدیث کے معانی نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نصوص شرعیہ معقولۃ المعانی ہیں ان کا ادراک فہم سلیم اور عقل و دانش سے کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ کام وہی ارباب صدق و صفا سر انجام دے سکتے ہیں جنہیں

اللہ تعالیٰ نے مزاجِ شریعت سے مناسبت اور فقہی بصیرت کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔

نصوصِ شرعیہ معقولۃ المعانی ہیں، مگر ان کا ادراک وفہم آسان نہیں، یہ ہر عالم کے بس کا کام نہیں، چنانچہ امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں کہ

میں نے اپنی بساط کے مطابق شرعی دلائل پر غور وفکر کیا تو میں نے قیاس صحیح کو حدیث صحیح کے مخالف نہیں پایا، جیسا کہ معقول صحیح منقول صحیح کے مخالف نہیں ہوتا، بلکہ میں نے قیاس کو اکثر مخالف حدیث و اثر پایا تو لازماً میں نے ان میں سے ایک کو ضعیف پایا لیکن قیاسِ صحیح اور قیاسِ فاسد میں بہت سے فاضل علما امتیاز کرنے سے قاصر ہیں، اور علما کا تو ذکر ہی کیا ہے، اس لئے کہ احکام میں علت موثرہ کا صحیح ادراک اور ان معانی کا فہم جن کا تعلق احکام سے ہے اشرف علوم سے ہے۔ ان میں سے کچھ تو بہت روشن ونمایاں ہوتے ہیں جن کو بیشتر اہل علم سمجھتے ہیں، اور بعض دقیق ہوتے ہیں جن کو خاص علماء سمجھتے ہیں، اس لئے بہت سے علماء کے قیاس نصوص کے مخالف ہوتے ہیں، اس لئے کہ قیاسِ صحیح کی حقیقت ان پر منکشف نہیں ہوتی، جس طرح بہت سے اہل علم پر نصوص میں جو دقیق دلائل احکام پر دلالت کرتے ہیں، مخفی رہتے ہیں۔ (۱۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ حدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت ان کے تلامذہ کی نظر میں مسلم تھی۔

صحیح حدیث کی شناخت

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ محض سلسلۂ اسناد سے حدیث کی صحت معلوم نہیں ہوتی، حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں:

إن الصحيح لا يعرف بروایة فقط إنما يعرف بالفهم و الحفظ و كثرة السماع (۱۳)

صحیح حدیث محض اپنے سلسلۂ سند سے نہیں پہچانی جاتی، اس کی صحت تین باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ فہم وفراست، ۲۔ حفظ، ۳۔ کثرتِ سماع۔

امام ابو حنیفہؒ مذکورۂ بالا تینوں صفات سے بدرجہ اتم بہرہ ور ہیں، اس امر کا صحیح اندازہ امام

موصوف کی تحصیل و طلب علم سے کیا جا سکتا ہے جو مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تحصیل حدیث کا زمانہ

علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے حدیث کی تحصیل ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں کی ہے وہ لکھتے ہیں:

أنّ الإمام أبا حنيفة طلب الحديث و أكثر منه في سنة مئة و بعدها (۱۴)

بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں حدیث کی تحصیل کی اور بہت زیادہ کی ہے۔

مؤرخ ذہبی کے مذکورۂ بالا بیان سے امام اعظم رحمہ اللہ کی ۱۔ طلب حدیث، ۲۔ حدیث کی کثرتِ طلب، اور ۳۔ طلب حدیث کے زمانے کی تعیین سے ایک محقق کے لئے بہت سے علمی گوشے کھل جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا ائمۂ فن سے حدیث و آثار کا سماع

امام ابوحنیفہؒ نے حدیث و آثار کا سماع ائمۂ فن سے کیا ہے اور اس کے لئے سفر کئے، چنانچہ مورخ شمس الدین الذہبیؒ فرماتے ہیں:

عنى بطلب الآثار وارتحل في ذلک (۱۵)

موصوف نے حدیث و آثار کی طلب و جستجو میں توجہ کی اور اس کے لئے سفر کئے۔

ائمۂ حدیث سے روایت ...... وسیلۂ تقرب

ائمہ حدیث کی سندیں عالی ہوتی ہیں، ان سے روایت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب حاصل کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، حاکم نیشا پوری امام اعمش کی سند سے حسب ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب حدثنا الحسن بن علي بن

عفان العامری ثنا عبداللّٰه بن لمیر عن الأعمش عن عبداللّٰه بن مرّہ عن مسروق عن عبداللّٰه بن عمرو قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً و من کانت فیه خصلة منهن کان فیه خصلة من النفاق حتٰی یدعها، اذاحدث کذب، و اذاعاهد غدر، واذا وعد، اخلف و اذاخاصم فجر (۱۶)

ابوالعباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا (ان سے) حسن بن علی بن عفان عامری نے بیان کیا (ان سے) عبداللہ بن میر نے بیان کیا (ان سے) اعمش نے اور اعمش سے عبداللہ بن مرہ سے (اس نے) مسروق سے اس نے عبداللہ بن عمرو سے بیان کیا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عادتیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک عادت پائی گئی، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے، جب کوئی بات بیان کرے جھوٹ بولے اور جب کوئی معاہدہ کرے اس کا پاس نہ رکھے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

حاکم نے اعمش کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حسب ذیل اصول بیان کیا ہے۔

فانّ الغرض فیه القرب من سلیمان بن مهران الاعمش فان الحدیث له وهو امام من ائمة الحدیث و کذلک کل اسناد یقرب من الامام المذکور فیه، فانه اذاصحّحه الروایة الٰی ذالک الامام بالعدد الیسیر فانه عال۔ (۱۷)

مذکورۂ بالا حدیث میں مقصد سلیمان بن مہران اعمش سے قرب ظاہر کرنا ہے بلاشبہ یہ ان کی سند سے مروی ہے اور وہ ائمہ حدیث میں سے ایک امام ہے، اور اسی طرح ہر وہ سند جس میں امام موصوف سے قرب میسر ہو، پس اگر اس روایت کی صحت اس امام کی طرف معدودے چند راویوں سے ہو تو وہ سند عالی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام فن بھی ہیں اور مقبول امام مجتہد ہیں ان

کی سندیں عالی بھی ہیں اور تقرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی ائمہ حدیث سے راست روایتیں

علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ: میں نے (صحیح حدیثوں کی) سندیں دیکھیں تو وہ چھ ائمہ حدیث ہیں۔(۱۸)

۱۔ اہل مدینہ میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، (۵۸۔۱۲۴ھ/ ۶۷۸۔۷۴۲ء)

۲۔ اہل مکہ میں عمرو بن دینار المکی، (۴۶۔۱۲۶/ ۶۶۶۔۷۴۳ء)

۳۔ اہل بصرہ میں قتادہ بن دعامہ البصری (۶۱۔۱۱۸/ ۶۸۰۔۷۳۶ء)

۴۔ اہل یمن میں یحییٰ بن ابی کثیر الیمانی (۰۰۔۱۲۹/ ۰۰۰۔۷۴۷ء)

۵۔ اہل کوفہ میں ابواسحاق السبیعی الہمدانی الکوفی (۳۳۔۱۲۷/ ۶۵۳۔۷۴۵ء)

۶۔ سلیمان بن مہران اعمش کوفی (۶۱۔۱۴۸/ ۶۸۱۔۷۶۵ء)

ان مذکورہ بالا ائمہ حدیث کی اسانید سے بکثرت روایتیں صحاح ستہ میں منقول ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ یحییٰ بن ابی کثیر الیمانی کے علاوہ تمام مذکورہ بالا ائمہ فن سے راست روایت کرتے ہیں، چنانچہ مورخ اسلام شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے سیر اعلام النبلاء میں امام ابوحنیفہ کے تذکرے (۱۹) میں عمرو بن دینار، قتادہ، ابواسحاق السبیعی، محمد بن مسلم بن شہاب زہری کے ناموں کی تصریح کی ہے اور حضرت اعمش کوفی کے تذکرے (۲۰) میں موصوف سے روایت کا ذکر کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ طبقۂ رابعہ کے نامور حفاظ حدیث میں

علامہ شمس الدین الذہبی جن کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ، ذہبی فن رجال میں ارباب استقرائے کامل میں سے ہیں۔(۲۱) موصوف نے ''کتاب المعین فی طبقات المحدثین'' کے طبقۂ چہارم کے نامور محدثین میں امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کیا ہے، جن کی علمی و تدریسی خدمات کا چرچا مشرق و مغرب ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ فن نے امام ابوحنیفہؒ کا شمار ان نامور حفاظ حدیث میں کیا ہے جن کی علمی و تدریسی خدمات کا اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب میں چرچا رہا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کے مقدمے میں رقم طراز ہیں کہ:

یہ مقدمہ احادیث وآثار نبویہ بیان کرنے والے نامور محدثین کرام کے ناموں کے بیان میں ہے تاکہ دانشمند طلبہ کو بصیرت حاصل ہو اور صاحب افادہ محدث کو وہ باتیں یاد دلاتا ہے جن سے جاہل رہنا طلبہ کے لئے معیوب ہوتا ہے۔ یہ بڑے محدثین کے کامل ترین تذکرہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ان محدثین کی نشاندہی کا مرقعہ ہے جن کا ذکر اطراف عالم میں ہر زمانہ میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔ (۲۲)

علامہ ذہبی نے کتاب المعین کی ترتیب یہ رکھی ہے، پہلا طبقہ صحابہ کا ہے، پھر اکابر تابعین کا ہے، پھر ائمہ تابعین حسن بصری، مجاہد، پھر تابعین کا تیسرا طبقہ زہری وقتادہ کا ہے، چوتھا طبقہ امام اعمش اور امام ابوحنیفہؒ کا قائم کیا ہے۔

اس سے مورخ اسلام علامہ ذہبی کی نظر میں مشاہیر محدثین میں امام ابوحنیفہؒ کا وہی مقام ہے جو شیخ الاسلام حضرت اعمشؒ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا فقہائے امصار سے استفادہ

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس زمانے کی اسلامی دنیا اور اس کے علمی مرکز کے بہت سے فقیہان امصار سے استفادہ کیا، لیکن یہاں پر چند فقہائے امصار کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ مفتی مکہ عطا بن ابی رباح (۲۷۔۱۱۴ھ/ ۶۴۷۔۷۳۲ء)

یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد اور امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد ہیں۔ (۲۳) ان کے متعلق امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

> عہد تابعین میں حضرت عطا اور حسن بصری سے زیادہ فتوے دینے والا کوئی نہ تھا، اور مزید یہ کہ حرم مکہ کے مفتی حضرت عطا تھے، اور بصرہ میں مفتی حضرت حسن بصری تھے۔ (۲۴)

۲۔ مکحول شامی (۰۰۰۔۱۱۲ھ/ ۰۰۰۔۷۳۰ء)

مکحول کا قول ہے:

طفت الارض کلها فی طلب العلم۔

میں نے علم کی طلب وجستجو میں اسلامی قلمرو کے اکثر شہروں کا سفر کیا۔

امام زہری کا قول ہے:

العلماء اربعة سعید بن المسیب بالمدینة والشعبی بالکوفة والحسن بالبصرة ومکحول فی الشام۔ (۲۵)

علما چار ہیں، مدینہ میں سعید بن المسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن اور شام میں مکحول۔

سعید بن عبدالعزیز المتوفی ۱۶۷ھ فرماتے تھے:

مکحول أفقه أهل الشام۔ (۲۶)

مکحول اہل شام میں سب سے زیادہ فقیہہ تھے۔

۳۔ یزید بن حبیب مصری (۵۳۔۱۳۵ھ/۶۷۲۔۷۴۵ء)

مورخ مصر ابو سعید بن یونس کا بیان ہے:

کان مفتی اهل مصر فی ایامه وکان من اظهر العلم بمصر، و الکلام فی الحلال والحرام، مسائل، وقیل انهم کانوا قبل ذلک یتحدثون بالفتن و الملاحم و الترغیب فی الخیر۔ (۲۷)

موصوف اپنے زمانے میں مصریوں کے مفتی تھے اور یہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے سرزمین مصر میں حدیث کو پھیلایا اور حلال وحرام میں بحث کی، مسائل بیان کئے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اہل مصر کا اس سے پہلے موضوع سخن فتن، جنگ وجہاد کی داستانیں اور خیر کے کاموں میں شوق ورغبت تھا۔

۴۔ عامر بن شرحبیل الشعبی (۱۹۔۱۰۳ھ/۶۴۰۔۷۲۱ء)

یہ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے شیوخ میں سے ہیں۔ (۲۸) شعبیؒ کا بیان ہے:

ادرکت خمس مئة من اصحاب النبی ﷺ (۲۹)

میں نے پانچ سو صحابۂ کرامؓ کو پایا اور ان سے ملاقات کی ہے۔

مکحول کا قول ہے:

ما رأیت أحدا اعلم من الشعبی۔ (۳۰)

میں نے شعبی سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔

ابومجلز کا قول ہے:

مارأیت افقہ من الشعبی و لاسعید بن المسیب ولا طاؤس ولا عطاء ولا الحسن ولا ابن سیرین فقد رأیت کلھم۔ (۳۱)

میں نے شعبی سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔ نہ سعید بن مسیّب اور نہ طاؤس اور نہ حسن اور نہ ابن سیرین کوئی، ان کا ہمسر نہ تھا میں نے ان سب کو دیکھا ہے۔

لوگوں میں تین علما تھے، ۱۔حضرت ابن عباسؓ اپنے زمانے میں، ۲۔شعبی اپنے زمانے میں، ۳۔سفیان ثوری اپنے زمانے میں۔ (۳۲)

ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے:

شعبی کے پاس آثار کا علم تھا اور ابراہیم کے پاس قیاس تھا۔ (۳۳)

ابن سیرین کا قول ہے:

قدمت الکوفة و للشعبی حلقة عظمة والصحابة کثیر (۳۴)

میں کوفے گیا تو شعبی کا حلقہ (درس) بہت بڑا تھا۔ اس میں صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد بیٹھی ہوئی ہوتی تھی،

۵۔ ابوعبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان (۳۳۔۱۰۶ھ/۶۵۳۔۷۲۴ء)

موصوف نے صحابہؓ سے حدیثیں سنی تھیں، مورخ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

سمع من زید بن ثابت، و عائشةؓ، وابی ھریرةؓ، و زید بن ارقمؓ، وابن عباسؓ لازم ابن عباسؓ مدة وھو معدود فی کبراء اصحابہ۔ (۳۵)

موصوف نے زید بن ثابت، عائشہ اور ابو ہریرہ اور زید بن ارقم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حدیثوں کا سماع کیا تھا۔ ابن عباسؓ کی صحبت میں ایک مدت تک رہے ہیں،

موصوف کا شمار ابن عباسؓ کے کبار تلامذہ میں کیا جاتا ہے۔

طاؤسؒ کا اپنا بیان ہے کہ:

میں نے پچاس صحابہؓ کرام سے ملاقات کی ہے۔ (۳۶)

حبیب بن ثابت کا بیان ہے کہ:

میرے پاس پانچ ایسی شخصیات یکجا ہوئی ہیں کہ ان جیسی شخصیات کسی کے پاس جمع نہیں تھیں۔ ۱۔عطا، ۲۔طاؤس، ۳۔مجاہد، ۴۔سعید بن جبیر، ۵۔عکرمہ۔(۳۷)

مذکورہ بالا پانچ میں سے حضرت عطا اور حضرت طاؤسؒ سے راست استفادے کا فخر امام ابوحنیفہؒ کو حاصل تھا۔مورخ ذہبی کا بیان ہے:

طاؤس کان شیخ اھل الیمن و برکتھم ومفتیھم لہ جلالۃ عظیمۃ۔ (۳۸)

موصوف اہل یمن کے شیخ ہیں۔ان کا وجود ان کے لئے باعث برکت ہے۔اور یہ ان کے مفتی تھے،ان کی علمی شان وعظمت (اہل یمن کے یہاں) بڑی تھی۔

ان (فقہائے امصار) کی احادیث وفقہی آرا بعض کتاب الآثار میں اور بعض مسانید میں منقول ہیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا علم کوفہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ امام صاحب کی شخصیت بلاد اسلامی کے علمی مرکزوں کے نامور حفاظ اور مشہور فقہائے امصار کے علوم کی جامع تھی۔

اس زمانے میں دینی قیادت وسیادت انہی فقہاو محدثین کو حاصل تھی جو بڑھ چڑھ کر دین کی خدمت میں مشغول رہتے تھے،مجتہدین ائمہ اربعہ میں یہ سعادت وقبولیت بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ کو حاصل ہے،**ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء**

یادرکھئے حرمین،مکہ مدینہ عراقین،کوفہ وبصرہ مصروشام اور یمن یہی مرکزی شہر تھے جہاں پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فقہ وحدیث کا بازار گرم تھا اور معمول بہا سنت کا ذخیرہ جس سے احکام کا استخراج و استنباط کیا جاسکتا تھا، انہی فقہاومحدثین کے پاس موجود ومحفوظ تھا۔اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے

کہ دوسری صدی کے آخر میں جن ائمہ تابعین کے پاس صحابہ کرامؓ کا علم محفوظ تھا اس کا جامع فقہ حنفی ہے۔

مجتہدین ومکثرین صحابہؓ کے علوم وروایات کا جامع امام

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کثرت سے روایت کرنے والے حفاظِ حدیث اور مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم ان کے نامور تلامذہ سے حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہے، چنانچہ مورخ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنی سند سے ربیع بن انس کا بیان نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ ابوجعفر منصور عباسی (۹۵۔۱۵۸ھ/۷۱۴۔۷۷۵ء) کے پاس آئے، وہاں اس کا وزیر عیسیٰ بن موسیٰ بیٹھا تھا، اس نے خلیفہ سے کہا کہ امام موصوف اس وقت دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں منصور نے امام اعظمؒ سے پوچھا: تم نے کن سے علم حاصل کیا؟ فرمایا میں نے عمرؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، حضرت علیؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانے میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، یہ سن کر اس نے کہا تم (ابوحنیفہؒ) نے خود کو خوب پختہ عالم بنایا۔(۳۹)

امام ابوحنیفہؒ کے مذکورہ بالا بیان سے علوم میں وسعت وتنوع اور جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں مجتہدین صحابہؓ اور کثرت سے حدیثیں روایت کرنے والے صحابہؓ کے علوم کے جامع تھے اور ان کے پاس احادیث وآثار کا سرمایہ دوسرے ائمہ کی نسبت زیادہ وسیع تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کی بعض اسانید زمرۂ اصح الاسانید میں

۱۔ ابوحنیفہ عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباسؓ،

۲۔ ابوحنیفہ عن نافع عن ابن عمرؓ کو زمرۂ اصح الاسانید میں شمار کیا گیا ہے۔ جس طرح مالک عن نافع عن ابن عمر صحیح ترین سند ہے، یہی حکم ابوحنیفہ عن ابن عمر کا ہونا چاہئے۔(۴۰)

۳۔ اہل عراق کی عظیم ترین اور صحیح ترین سند سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبداللہ ہے۔(۴۱) یہی حکم ابوحنیفہ عن منصور عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبداللہ کا ہونا چاہئے۔

امام ابوحنیفہؒ کی عالی صفت سے آراستگی

ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے یہاں اسانید میں دوسرے ائمہ کی بہ نسبت واسطے کم پائے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف تابعی ہیں، ان کی حدیثیں ثنائی یعنی بعض بہ دو واسطہ اور بعض وحدان بہ یک واسطہ مروی ہیں۔ دیگر ائمہ جیسے امام مالکؒ کہ وہ تبع تابعی ہیں ان کے یہاں سند میں واسطے بڑھ جاتے ہیں اور امام اوزاعیؒ بھی تبع تابعی ہیں ان کے یہاں بھی واسطے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وحدان پائی جاتی ہیں ان کے معاصرین امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے یہاں وحدان (بہ یک واسطہ روایت) نہیں پائی جاتی۔

ائمۂ فن کا امام ابوحنیفہؒ کے احکام ونظریات سے اعتنا

اصول حدیث کی کتابوں میں ائمہ فن قدماء و متاخرین کا اپنی تصانیف میں امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے نظریات وآثار سے اعتناء و بحث کرنا اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ اصول حدیث کی کتابوں میں موصوف کے نظریات کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا شمار بلند پایہ حفاظ حدیث میں کیا جاتا ہے۔ ”تذکرۃ الحفاظ“ کے موضوع پر کم وبیش ہر کتاب میں موصوف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں ان کی ثقاہت بھی مسلم ہے، چنانچہ حافظ احمد بن عبداللہ العجلی (۱۸۲۔۲۶۱) نے تاریخ ثقات میں موصوف کا تذکرہ کیا ہے۔(۴۲) جو ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔

دوسری صدی ہجری میں سنن وآثار اور احکام کے ائمہ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ

دوسری صدی ہجری میں سنن وآثار اور احکام کا علم تین ائمہ فن میں دائر وسائر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے تھے:

العلم یدور علی ثلاثة : مالک، واللیث، و ابن عیینة۔ (۴۳)

سنن وآثار اور احکام کا تین ائمہ فن امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ/۷۱۲۔۷۹۵ء) لیث (۹۴۔۱۷۵ھ/۷۱۳۔۷۹۱ء) اور ابن عیینہ (۱۰۷۔۱۹۸ھ/۷۲۵۔۸۱۴ء) میں دائر

وسائر ہے۔

امام شافعیؒ کے مذکورۂ بالا مقولے پر مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی فرماتے ہیں کہ دوسری صدی ہجری میں علم سنن وآثار کو ان تین ائمہ حدیث میں محدود ومنحصر کرنا صحیح نہیں، ان کے ساتھ سات ائمہ فن اور بھی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: ۱۔اوزاعی (۸۸۔۱۵۷ھ/ ۷۰۷۔۷۷۴ء)، ۲۔سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء)، ۳۔معمر (۹۵۔۱۵۳ھ/ ۷۱۳۔۷۷۰ء)، ۴۔ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ/ ۶۹۲۔۷۶۷ء)، ۵۔شعبہ (۸۲۔۱۶۰ھ/ ۷۰۱۔۷۷۶ء)، ۶۔حماد بن مسلم (۰۰۔۱۶۷ھ/ ۰۰۔۷۸۴ء)، ۷۔حماد بن زید (۹۸۔۱۷۹ھ/ ۷۱۷۔۷۹۵ء)۔ (۴۴)

حافظ شمس الدین الذہبی الشافعی کے بیان سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ سنن وآثار کے علوم میں امام ابوحنیفہؒ کا وہی مرتبہ ومقام ہے، جو امام مالک، ابن عیینہ، شعبہ، حماد بن سلمہ، معمر، سفیان ثوری لیث اور حماد بن زید کا ہے، ان میں سے اکثر کی روایات بکثرت صحاح ستہ میں موجود ہیں، جیسا کہ ان کے رموزاور علامات سے ظاہر ہے۔

ائمۂ جرح وتعدیل کے یہاں امام ابوحنیفہؒ کا مقام

اس امر کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مشہور ائمہ جرح وتعدیل کے طبقۂ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ اور رابعہ میں کسی امام سے امام ابوحنیفہؒ کی جرح نقل نہیں، بلکہ ان سے امام اعظمؒ کی توثیق منقول ہے۔

طبقۂ اولیٰ

طبقۂ اولیٰ میں امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (۸۰۔۱۶۰ھ/ ۷۰۱۔۷۷۶ء) اور سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۴۲۔۸۱۴ء) کا شمار ہے اور شعبہ کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

لولا شعبة لما عرف الحديث بالعراق ۔ (۴۵)

شعبہ اگر نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔

لیکن جرح کرنے میں شعبہ، سفیان ثوری سے زیادہ سخت اور تیز ہیں اور شعبہ اولاً خود کوفی المذہب اور امام اعظمؒ کے پیرو ہیں۔ (۴۶)

ثانیاً امام بخاریؒ کے استاد ابوالولید طیالسی (۱۳۳۔۲۲۷ھ) کا بیان ہے:

كـان شعبة حسن الذكر لأبي حنيفة كثير الدعاء له ما سمعته قط يذكر بين يديه الا دعاله۔ (۴۷)

شعبہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے اور ان کے حق میں بہت دعا کرتے تھے میں نے انہیں نہیں سنا کہ ان کے سامنے جب کبھی ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا ہو مگر انہوں نے موصوف کے لئے دعا کی۔

اور یحییٰ بن معینؒ المتوفی ۲۳۳ھ کا بیان ہے:

هـذا شـعبة بـن الـحـجـاج يـكتب إليه أن يُحدِّث ويأمره و شعبة شعبة(۴۸)

شعبہ بن الحجاج امام ابو حنیفہؒ کو لکھتے تھے کہ حدیث بیان کریں اور انہیں اس کے بیان کرنے کا حکم دیتے تھے، اور شعبہ تو شعبہ ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ کسی سے کہیں اور اسے حکم دیں، خیال فرمائیں وہ کس درجہ کا محدث و حافظ حدیث ہوگا۔

طبقۂ ثانیہ

طبقۂ ثانیہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰۔۱۹۸ھ/ ۷۳۷۔۸۱۳ء) اور عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۳۵۔۱۹۸ھ/ ۷۵۲۔۸۱۴ء) داخل ہیں۔ یحییٰ القطان کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

ما رأيت بعيني مثل يحييٰ بن سعيد القطان۔ (۴۹)

میری آنکھوں نے یحییٰ بن القطان کا نظیر نہیں دیکھا۔

اور حافظ عصر امام حدیث و علل علی بن المدینی (۱۶۱۔۲۳۴ھ) کا بیان ہے:

ما رأيت أحد أعلم بالرجال منه۔ (۵۰)

میں نے یحییٰ سے بڑھ کر رجال کا عالم نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن سعید القطان جرح کرنے میں ابن مہدی سے زیادہ سخت ہیں، ابن عبدالبر نے ''الانتقاء'' میں یحییٰ کا یہ قول بصراحت نقل کیا ہے:

لانکذب اللّٰہ عزوجل، کم من شئی حسن قالہ أبو حنیفۃ، و ربما استحسنًا الشیٔ من رأی ابی حنیفۃ و أخذنا۔ (۵۱)

ہم جھوٹ نہیں بولتے ،واللہ بہت سی اچھی باتیں ابوحنیفہؒ نے کہی ہیں اور ہم نے ان کی بہت سی باتوں کو اچھا سمجھا اور ان پر عمل کیا۔

یحییٰ بن معین کا بیان ہے:

کان یحییٰ بن سعید یذھب فی الفتویٰ مذھب الکوفیین۔ (۵۲)

یحییٰ بن سعید القطان کوفیوں کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یحییٰ بن سعید القطان امام ابوحنیفہ کی حدیث دانی کے متعلق فرماتے ہیں:

واللّٰہ لأعلم ھٰذہ الامۃ بماجاء عن اللّٰہ ورسولہ۔ (۵۳)

اللہ کی قسم ابوحنیفہؒ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔

طبقۂ ثالثہ:

طبقۂ ثالثہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن معین (۱۵۸۔۲۳۳ھ/۷۷۵۔۸۴۸ء) اور امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۱۔۸۵۵ء) ہیں۔

یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل کی بہ نسبت جرح کرنے میں زیادہ تیز ہیں۔ یحییٰ بن معین کے متعلق علی بن المدینی کا بیان ہے۔

انتھیٰ علم الناس إلی یحییٰ بن معین۔ (۵۴)

علما کا علم یحییٰ بن معین پر ختم ہے۔

اور اس امر کا اعتراف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی ہے وہ فرماتے ہیں!

یحیٰی بن معین اعلمنا بالرجال۔ (۵۵)

یحییٰ بن معین ہم میں رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

یحییٰ بن معین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ''صدوق'' بہت سچا قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ مغرب

علامہ ابن عبدالبر القرطبی لکھتے ہیں کہ

یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ اے ابوزکریا (یہ یحییٰ کی کنیت ہے) ابوحنیفہؒ روایت حدیث میں صدوق ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں وہ صدوق (ہمیشہ سچ بولنے والے) تھے۔(۵۶)

یحییٰ کا قول ہے:

ثقة ماسمعت احداً ضعفه۔ (۵۷)

ابوحنیفہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔

اور صالح بن محمد الاسدی الحافظ کا بیان ہے:

سمعت یحییٰ بن معین یقول کان ابوحنیفة ثقة فی الحدیث (۵۸)

میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ثقہ اور معتبر تھے۔

محمد بن سعید العوفی فرماتے ہیں:

سمعت یحییٰ بن معین یقول: کان ابوحنیفة ثقة، لا یحدث بالحدیث إلّا بما یحفظه ولا یحدث بمالم یحفظ۔ (۵۹)

طبقۂ رابعہ

طبقۂ رابعہ میں امام حافظ کبیر ابو حاتم محمد بن ادریس حنظلی رازی (۱۹۵۔۲۷۷ھ/ ۸۱۱۔۸۹۱ء) اور محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء) کا شمار ہوتا ہے، اور ابو حاتم رازی جرح کرنے میں امام بخاری کے مقابلے میں زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں، اسی طرح علی ابن المدینی کو بھی متشدد سمجھا جاتا ہے۔ اور وکیع کو بھی متشدد خیال کیا جاتا ہے۔ ان سے کوئی جرح منقول نہیں موصوف کے متعلق سید الحفاظ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

مارأیت أحدا أقدمه علی وکیع کان یفتی برأی أبی حنیفة وکان یحفظ حدیثه کله وکان قدسمع من أبی حنیفة حدیثاً کثیراً (۶۰)

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ میں اسے وکیع پر ترجیح دوں، وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے اور وہ اپنی تمام حدیثوں کے حافظ تھے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت زیادہ حدیثیں سنی تھیں۔

ائمہ فن حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں یہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مہارت وثقاہت کی روشن دلیل ہے۔

چنانچہ علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء) عبداللہ بن مبارک (۱۱۱۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۷ء) وکیع بن الجراح (۱۲۹۔۱۹۷ھ/ ۷۴۶۔۸۱۲ء) عباد بن العوام (۸۸۔۱۸۵ھ/ ۷۳۶۔۸۰۱ء) اور جعفر بن عون (۱۱۰۔۲۰۷ھ ۷۲۸۔۸۲۲ء) نے روایت کی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ثقہ ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۶۱)

مذکورہ بالا ائمہ فن حدیث میں مجتہد مطلق امام سفیان ثوری بھی ہیں جن کا مذہب جامع الترمذی میں ذکر کیا جاتا ہے اسی طرح فقہاء میں امام ابوحنیفہؒ کے استاد امام عراق حماد بن ابی سلیمان المتوفی ۱۲۰ھ بھی ہیں۔ جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔ (۶۳)

طبقۂ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ میں حنفی ائمہ فن جرح وتعدیل

شعبہ، امام یحیٰ بن سعید القطان اور یحیٰ بن معین سے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق منقول ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ائمہ فن حدیث وائمہ جرح وتعدیل ابوحنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر امام ابوحنیفہ کی ثقاہت کی اور کونسی روشن دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ ائمہ فن ہیں جن کی اجتہادی آرا واقوال سے فن رجال کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور راویان حدیث وآثار کی ثقاہت کے فیصلے کئے جاتے ہیں اور انہی کے اقوال وآثار کی تقلید کی جاتی ہے۔

فنِ جرح وتعدیل میں امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ

فن جرح وتعدیل میں امام ابوحنیفہؒ کو جو بلند مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ فن ان کے اقوال کو کتابوں میں اپنی سند سے نقل کرتے اور بطور سند پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ امام ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ "کتاب العلل" میں فرماتے ہیں:

أبا حنيفة يقول: ما رأيت احداً أكذب من جابر الجعفي ولا افضل من عطاء بن أبي رباح۔ (۶۴)

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا اور حضرت عطا بن ابی رباح سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

اور حافظ عبداللہ بن عدی جرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے "الکامل فی ضعفاء الرجال" میں اس بات کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

ما رأيت فيمن لقيت أفضل من عطا بن أبي رباح ولا لقيت أكذب من جابر الجعفي۔ (۶۵)

میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں عطا بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں پایا اور میں جن سے ملا ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔

مذکورہ بالا ائمہ فن اپنی سند سے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کرنا امام موصوف کی ثقاہت اور فن جرح وتعدیل میں ان کی مہارت وامامت کی روشن دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ وحدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت

فنون حدیث میں تفقہ ایک اہم عنصر ہے اور نصف علم کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد حافظ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا قول ہے:

التفقه في الحديث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم(۶۶)

علم حدیث میں فقہی بصیرت حاصل کرنا آدھا علم ہے اور معرفت رجال آدھا علم ہے۔

مذکورہ بالا دونوں علموں میں اگر کسی کو دقت نظر ومہارت فن حاصل ہے تو اسے بلاشبہ حدیث کا پورا علم حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن محدثین کو فقہی بصیرت حاصل نہیں وہ کامل محدث نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں یہ دونوں باتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ امام موصوف کی فقہی

بصیرت اور دینی تفقہ کے متعلق مجتہد مطلق امام شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے:

الناس عیال أبی حنیفة فی الفقه۔ (۶۷)

فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بال بچے ہیں۔

یہی بات امام موصوف سے ان الفاظ میں بھی منقول ہے:

الناس فی الفقه عیال علی أبی حنیفه۔ (۶۸)

لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔

حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس حقیقت کو ان الفاظ سے بھی نقل کیا ہے:

من اراد الفقه فهو عیال ابی حنیفه۔ (۶۹)

جو فقہ و فقہی بصیرت حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

من اراد ان یتبحّر فی الفقه فهو عیال ابی حنیفة۔ (۷۰)

جو فقہ میں عبور و تبحر چاہتا ہو وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا محتاج ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی حجازی ائمۂ فن سے بھی حدیث کی تحصیل

قاضی امام ابو یوسفؒ کی حدیث میں وسعت و دقت نظر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف نے عراق ہی کے حفاظ و فقہا اور محدثین سے سنن و آثار کا سماع نہیں کیا تھا بلکہ حجاز کے نامور حفاظ و فقہا و محدثین سے بھی احادیث و آثار کا سماع کیا تھا، چنانچہ عباسی خلفا میں پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۱۰۴۔۱۳۶ھ/۷۲۲۔۷۵۴ء) جب ۱۳۲ھ میں برسر اقتدار آیا تو اس نے مدینہ کے نامور عالم امام مالک رحمہ اللہ کے استاد وشیخ ربیعۃ الرای (۰۰۔۱۳۶ھ) کو انبار (کوفہ) بلایا تاکہ عراق میں قضا کا منصب ان کے سپرد کیا جائے۔(۷۱)

اس حقیقت سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے کہ اسلام میں عہد رسالت ہی سے منصب قضا ارباب فتویٰ کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن

جبل، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ سب ہی اصحاب الرائے اور ارباب فتویٰ تھے۔ جیسا کہ ان کے فتووں میں اس امر کی صراحت گزر گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں تفقہ اور فقہی بصیرت کو کیسا بلند مقام حاصل رہا ہے۔

ابوالعباس سفاح کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر المنصور عبداللہ بن محمد عباسی (۹۵۔۱۵۸ھ/۷۱۴۔۷۷۵ء) ۱۳۶ھ میں برسر اقتدار آیا، اس نے ہاشمیہ سے دارالخلافہ ۱۴۵ھ میں بغداد منتقل کیا تو مدینہ منورہ کے نامور علما کو بغداد بلایا چنانچہ امام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں۔

> خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور نے اپنے دور خلافت ۱۳۶۔۱۵۸ھ میں حجاز کے علما حفاظ حدیث اور فقہا و محدثین کو عراق دارالخلافہ (کوفہ) بلایا تاکہ وہ علوم کی نشر و اشاعت کریں، چنانچہ ہشام بن عروہؒ (۶۱۔۱۴۶ھ/ ۶۸۰۔۷۶۳ء) محمد بن اسحاقؒ (۰۰۔۱۵۱ھ/۰۰۔۷۶۸ء) یحییٰ بن سعید الانصاریؒ (۰۰۔۱۴۳ھ/ ۰۰۔۷۶۰ء) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ ۰۰۔۱۳۶ھ/ ۰۰۔۷۵۲ء) حنظلہ بن ابی سفیان الجمحیؒ (۰۰۔۱۵۱ھ/ ۰۰۔۷۶۸ء) عبدالعزیز عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشونؒ (۰۰۔۱۶۴ھ/ ۰۰۔۷۸۰ء) وغیرہ آئے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان کی تعلیمی مجالس میں حاضر ہوتے اور ان سے حدیث سیکھتے تھے اور جو علما حجاز سے آئے ان لوگوں سے بہت زیادہ حدیثیں سنی ہیں۔ انہی وجوہ و اسباب کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں قاضی ابو یوسف حدیث کے بڑے عالم تھے۔
> (۷۲)

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۲۔۱۴۶ھ کے درمیانی زمانے میں قاضی ابو یوسفؒ نے حجازی علما سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ کو سنن و آثار کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔

فقہ حدیث اور حدیث میں امام ابو یوسفؒ کا مقام و مرتبہ

امام ابو یوسفؒ کو فقہ حدیث اور حدیث میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبی فرماتے ہیں:

وافقه أصحابه ابويوسف۔ (۷۳)

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو یوسفؒ تھے،

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے سترہ برس استفادہ کیا تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

صحبت أباحنيفةؒ سبع عشرة سنة۔ (۷۴)

میں علم حاصل کرنے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی صحبت میں سترہ برس رہا ہوں، امام شافعیؒ کے نامور شاگرد امام مزنی المتوفی ۲۶۴ھ فرماتے ہیں:

اتبعهم للحديث۔ (۷۵)

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف سب سے بڑھ کر حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے شاگرد امام احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے:

كان يعقوب ابويوسف منصفافي الحديث۔ (۷۶)

امام ابو یوسف یعقوب حدیث میں انصاف پسند تھے۔

قاضی ابو یوسفؒ کے دوسرے شاگرد سید الحفاظ یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں:

مارأيت في اصحاب الرأى اثبت في الحديث ولا احفظ ولا اصح رواية من ابى يوسف۔ (۷۷)

میں نے اصحاب الرائی میں قاضی ابو یوسف سے زیادہ مضبوط و معتبر راوی اور ان سے بڑھ کر حافظ حدیث اور زیادہ صحیح روایت کرنے والا نہیں دیکھا۔

قولِ صحابی کی اہمیت......امام ابو یوسفؒ کی نظر میں

قاضی ابو یوسفؒ صحابیؓ کے قول کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ نامور حنفی فقیہ ابوبکر الجصاص اپنے استاد امام ابوالحسن کرخی المتوفی ۳۴۸ھ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

كان ابو الحسن يقول: كثيراً مما أرىٰ لابى يوسف في إضعاف مسئألة يقول: القياس كذا، إلّا أني تركته للاثر، و ذلك الأثر

قول صحابی لاتعرف عن غیرہ من نظرائہ خلافہ ،

قال ابو الحسن فھذا یدل من قولہ دلالۃ بینۃ علی أنہ کان یری ان تقلید الصحابی اذا لم نعلم خلافہ من أھل عصرہ أولی من القیاس ۔ (۷۸)

ابوالحسن کرخیؒ فرماتے تھے: میں نے بہت مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ مسئلہ کی کمزوری کو (بتاتے ہوئے) فرماتے تھے، قیاس یہی ہے مگر میں نے قیاس کو اثر کی وجہ سے چھوڑا ہے، اور وہ اثر صحابیؓ کا قول ہے، کہ اس قول میں اس صحابی کے نظیرو ہمسروں کا خلاف معلوم نہیں ہوتا۔ ابوالحسن کرخیؒ فرماتے ہیں:

قاضی ابو یوسفؒ کا یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ وہ صحابی کی تقلید کو اگر ان کے معاصرین سے اس کا خلاف معلوم نہ ہو تو قیاس سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، امام ابو یوسفؒ سنن وآثار کا دائرہ کتنا وسیع تر سمجھتے ہیں اور کس حد تک ان کی رعایت کرتے اور ان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا صفات کا جامع حافظ امام مجتہد اور صحبت یافتہ شاگرد اپنے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صحبت میں دقت نظر و فقہی بصیرت کا ذکر یوں کرتا ہے:

ما رأیت احداً اعلم بتفسیر الحدیث و مواضع النکت التی فیہ من الفقہ ربما ملت الی الحدیث و کان ھوا ابصر بالحدیث الصحیح ۔ (۷۹)

میں نے حدیث کی تفسیر وتشریح کرنے والا، نکات واسرار حدیث کا سمجھنے والا اور صحیح حدیث کا ادراک کرنے والا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا، بارہا ایسا ہوا کہ میں حدیث کو دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوا لیکن حقیقت میں صحیح حدیث کی بصیرت مجھ سے بڑھ کر انہیں حاصل تھی۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی حدیثوں پر نظر کیسی وسیع اور گہری تھی اور فقہی اسرار ونکات کی رسائی میں وہ اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔

حافظ اسرائیل بن یونس السبیعی المتوفی ۱۶۲ھ فرماتے ہیں:

کان نعم الرجل النعمان، ماکان احفظه لکل حدیث فیه فقه، و اشدفحصه عنه و اعلمه بمافیه من الفقه۔ (۸۰)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے آدمی تھے ان سے زیادہ کسی کو وہ حدیثیں یاد نہ تھیں، جن میں فقہ حدیث کی باتیں موجود ہیں اور ان سے زیادہ کسی نے اس کی کاوش وجستجو نہیں کی اور نہ ان سے زیادہ فقہ حدیث کا کوئی جاننے والا موجود ہے۔

امام لغت و حافظ حدیث نضر بن شمیل بصری المتوفی ۲۰۳ھ کہتے ہیں:

کان النّاس نیاماعن الفقه حتٰی ایقظهم ابوحنیفة ممافتقه و بینه ولخصه۔ (۸۱)

لوگ فقہ کی طرف سے خوابِ غفلت میں پڑے تھے، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی عقدہ کشائی اور وضاحت وشرح اور تلخیص کرکے انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔

فقہا وفقہِ حدیث

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے نامور تلامذہ اور دیگر مجتہدین فقہا معانی حدیث کو محدثین کی بہ نسبت زیادہ بہتر سمجھتے اور فقہ حدیث کی بصیرت سے خوب آراستہ تھے، چنانچہ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:

وهم (الفقهاء) اعلم بمعانی الحدیث۔ (۸۲)

اور وہ (فقہا) حدیث کے معانی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

فقہی بصیرت میں امام ابوحنیفہؒ کی سیادت وقیادت

بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کے معانی کے سمجھنے اور فقہ حدیث تک رسائی میں اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ فائق وممتاز تھے، چنانچہ حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں۔

ساد اهل زمانه فی التفقه، و تفریع المسائل۔ (۸۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تفقہ (فقہی بصیرت) حاصل کرنے اور تفریع مسائل میں اپنے معاصرین کی سیادت و قیادت کی ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

و أمّا الفقه والتدقيق في الرأي وغوامضه اليه المنتهىٰ فالناس عليه عيال في ذٰلک۔ (۸۴)

لیکن فقہ، فقہی مسائل میں دقت نظر اور مشکلات فقہ کے حل میں وہی حرف آخر ہیں اور لوگ ان کے محتاج ہیں۔

فقہی بصیرت سے آراستہ تین مجتہد امام

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نامور شاگرد عبداللہ بن المبارک کا قول ہے:

إن كان الاثر قد عرف واحتيج إلى الرأي، فرأي مالک وسفيان و أبي حنيفة، وابو حنيفه احسنهم و أدقهم فطنة، واغوصهم على الفقه۔ (۸۵)

حدیث و اثر موجود ہو اور رائے کی احتیاج ہو تو امام مالک و سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کی بات ماننی چاہئے اور امام ابوحنیفہؒ باریک بینی و زیرکی میں سب سے بہتر ہیں، اور فقہی بصیرت میں وہ ان تینوں میں سب سے زیادہ گہری نظر کے مالک ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا اپنے علمی و تحقیقی سرمایہ پر تبصرہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نامور شاگرد فقیہ و مجتہد حسن بن زیاد لؤلؤی المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں، میں نے امام موصوف کو یہ فرماتے سنا ہے:

قولنا هذا رأي وهو احسن ماقدرنا عليه فمن جاء نا بأحسن من قولنا فهو اولى بالصواب منا۔ (۸۶)

ہمارا قول کہ یہ رائے ہے اور یہ وہ رائے ہے جسے ہم نے اپنی بساط کے مطابق سب سے بہتر طریقے پر پیش کیا ہے، جو کوئی ہماری اس تحقیق سے زیادہ اچھی تحقیق پیش

کرے وہ ہم سے زیادہ برسر حق ہوگا (اس کی تحقیق کو قبول کرنا چاہئے)

شیخ الاسلام امام اعمشؒ کا اعترافِ حقیقت

حافظ عبید اللہ بن عمرو الرقی المتوفی ۲۸۰ھ کا بیان ہے:

ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ شیخ الاسلام امام حدیث حضرت سلیمان اعمش کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حضرت اعمشؒ سے مسئلہ پوچھا وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے، اس کی نظر امام ابو حنیفہؒ پر پڑی، اس نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا، آپ نے اسے فوراً جواب دیا، امام اعمشؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے کہا:

نحن الصّیاد لة وأنتم الأطبّاء۔ (۸۷)

ہم (محدثین) دوافروش ہیں اور تم (فقہا) ڈاکٹر ہو۔

یہی حال امام ابو حنیفہؒ کے نامور تلامذہ کا تھا۔ چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ کے شاگرد فقیہ بشر بن الولید کندی المتوفی ۲۳۰ھ نے امام ابو یوسفؒ کا بیان نقل کیا کہ ایک نشست میں حضرت اعمش اور میں تنہا تھے، حضرت اعمش نے چند حدیثیں سنائیں پھر ایک مسئلہ پوچھا، میں نے جواب دیا، فرمایا: اس کی اصل اور دلیل کیا ہے: میں نے کہا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو آپ نے ابھی بیان کی ہے۔ حضرت اعمش نے فرمایا مجھے یہ حدیث اس وقت سے یاد ہے جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں بھی نہیں آئے تھے، لیکن اس کی یہ تاویل اور مطلب مجھ پر منکشف نہیں ہوا جواب سمجھ میں آیا ہے، پھر فرمایا:

نحن الصّیادلة و انتم الأطباء

ہم دوافروش ہیں تم ڈاکٹر ہو۔

سفیان بن عیینہؒ کی شاگردوں کو فقہ حدیث کی تاکید

سفیان بن عیینہؒ المتوفی ۱۹۸ھ اپنی مجالس درس میں فقہی بصیرت حاصل کرنے پر زیادہ زور دیتے، لیکن ان کے شاگرد اس پر دھیان نہیں دیتے تھے، چنانچہ حافظ علی بن خشرم المروزی المتوفی ۲۵۷ھ کا بیان ہے کہ:

> ہم سفیان بن عیینہؒ کی مجلس میں حاضر تھے، وہ فرماتے تھے اے طالب علمو! فقہ حدیث (فقہی بصیرت) سیکھو تا کہ تمہیں اصحاب الرائے مغلوب نہ کریں، ابو حنیفہؒ نے کوئی

بات نہیں کہی، مگر یہ کہ ہم اس سلسلے میں ایک دو حدیثیں بیان کر سکتے ہیں، موصوف نے یہ فرمایا اور اصحاب حدیث نے فقہ حدیث کو چھوڑ دیا ان کی اس بات پر توجہ نہ دی اور بولے بتایئے عمرو بن دینار کن سے روایت کرتے ہیں؟ (۸۹)

امام ابوحنیفہؒ کی فقہی بصیرت کے بنیادی سرچشمے

امام ابوحنیفہؒ نے نت نئے مسائل حل کرنے اور ان کے استخراج و استنباط کے بنیادی سرچشموں کی نشاندہی کی ہے، اسے حافظ ابوالحجاج المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

یحییٰ بن ضریس کہتے ہیں کہ میں سفیان ثوری کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور سفیان ثوری سے کہنے لگا تم ابوحنیفہؒ سے کیوں ناراض رہتے ہو، ثوریؒ نے پوچھا، کیا ہوگیا؟ وہ بولا میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں مسئلہ کتاب اللہ میں ٹٹولتا ہوں، اس میں رہنمائی نہیں پاتا تو سنت میں ڈھونڈتا ہوں، پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی سراغ نہیں لگتا تو صحابہؓ کے اقوال میں جستجو کرتا ہوں اور ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، اور ان میں سے جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور ان کے اقوال سے باہر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا۔ (۹۰)

پھر جب بات ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، اور سعید بن المسیب تک آتی ہے تو (امام ابوحنیفہؒ نے کچھ اور بھی نام لئے) تو پھر یہ بات تابعین کی ہو جاتی ہے، انہوں نے اجتہاد کیا تو میں بھی اجتہاد کرتا ہوں، جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔ حافظ ابن ضریسؒ کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری یہ باتیں سن کر بہت دیر خاموش رہے، پھر بصیرت فقہی سے کچھ کلمات فرمائے، مجلس میں ہر شخص نے انہیں قلمبند کیا (وہ یہ ہیں)، ہم جب سخت وعید کی حدیثیں سنتے ہیں تو ڈرتے ہیں اور جب نرم (ترغیب) کی حدیثیں سنتے ہیں تو مغفرت کی امید رکھتے ہیں، ہم زندوں کا محاسبہ کرتے ہیں جو دنیا سے رخصت ہوگئے ان پر حکم نہیں لگاتے، ہم نے جو سنا اسے تسلیم کرتے ہیں، جو نہیں جانتے اسے عالم الغیب کے سپرد کرتے ہیں، ہم ان کی فقہی رائے و بصیرت کے مقابلے میں اپنی رائے کو رقم کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سرچشمے علم و معرفت کے وہ بنیادی سرمایۂ فیوض و برکات ہیں، جن سے امام ابوحنیفہؒ مسائل کا استخراج کرتے اور مراد حق

کو پانے اور اس تک پہنچنے کی پیہم کوشش کرتے رہتے تھے۔

مورخ ابوعبداللہ الصیمری المتوفی ۴۳۶ھ نے امام ابوحنیفہؒ کا مذکورہ بالا بیان حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

(وہ مسائل جو بصراحت قرآن میں مذکور نہیں ہیں ان کا) میں پہلے قرآن میں کھوج لگاتا ہوں اگر انہیں پاتا ہوں تو بہت اچھا اور جب اس میں نہیں پاتا ہوں تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنن اور صحیح آثار میں جو معتبر راویوں کے پاس معتبر سند سے موجود ہیں ان میں جستجو کرتا ہوں، پھر اسے اختیار کرتا ہوں، پھر اگر ان دونوں میں نہیں ملتا تو پھر اصحاب رسول ﷺ کے اقوال میں دیکھتا ہوں، جس کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑتا ہوں اور صحابہؓ کے اقوال کے دائرے سے باہر نہیں نکلتا۔ عہد تابعین میں سب تابعی مجتہد برابر ہیں، کسی کا میں کسی کا متبع و مقلد نہیں، اجتہاد کرتا ہوں، جیسے وہ اجتہاد کرتے ہیں، چنانچہ جب ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین سعید بن المسیب اور کچھ اور مجتہدین تک بات آتی ہے اور وہ اجتہاد کرتے ہیں، تو پھر مجھے بھی حق ہے کہ میں بھی اجتہاد کروں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا ہے۔(۹۱)

امام ابوحنیفہ کا مذکورہ بالا بیان اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ وہ تابعین میں سے ہی مجتہد تابعی کے افکار و نظریات اور مسلک و مذہب کے نہ ترجمان تھے نہ اس کے تابع و پیروکار۔

امام ابوحنیفہؒ نے صحابہؓ کے اجتہادی مسائل میں پیروی کو اس لئے ضروری قرار دیا کہ اصابت رائے میں وہ تابعین سے بہت بہتر و برتر تھے اور اس امر کی دلیل یہ حدیث ہے:

لو أن أحدكم انفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مُد احدهم ولا نصيفه(۹۲)

تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے مُد (پیمانہ) کے برابر (جس کا وزن پونے دو سیر ہے) بلکہ اس کے نصف وزن کو بھی نہیں پہنچے گا۔

شمس الائمہ السرخسی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

فعرفنا أنهم يوفقون لاصابة الرأى مالا يوفق غيرهم منه فيكون

رأیهم أبعدمن احتمال الخطأ من رأی من بعد هم۔ (۹۲۔الف)

تو ہمیں معلوم ہوا کہ صحابہؓ (اصابت رائے اور صحیح رائے کی رسائی) میں توفیق الٰہی سے صحت کی اس حد تک پہنچ چکے ہیں جس حد کو دوسرا کوئی نہیں پہنچتا، اس لئے ان کی رائے ان کے بعد آنے والوں کی رائے سے غلطی اور خطا کے احتمال سے دور ہے۔

شمس الائمہ السرخسی مزید لکھتے ہیں:

ماجاء عن الصحابه اتبعناهم، وماجاء ناعن التابعین زاحمناهم۔ إنماقال ذلک لأنه کان من جملة التابعین ...... کان ممن یجتهد فی عهد التابعین ویعلم الناس حتٰی ناظر الشعبی فی مسالة النذر بالمعصیة۔ (۹۲۔ب)

صحابہؓ سے جو آیا ہے ہم ان کی اتباع اور پیروی کریں گے اور تابعین کی طرف سے جو بات آئے گی ہم بھی اجتہاد کے ذریعے ان سے مقابلہ کریں گے، ہم کہتے ہیں، ابوحنیفہؒ نے یہ بات اس لئے فرمائی ہے کہ وہ تابعی ہیں اور ان فقہا میں سے ہیں جو عہد تابعین میں اجتہاد کرتے اور لوگوں کو اجتہاد کا طریقہ سکھاتے اور پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ نذر بالمعصیۃ کے مسئلے میں امام شعبیؒ سے (جنہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا) انہوں نے مناظرہ کیا تھا۔ ظاہر ہے وہ ابراہیم، حسن بصری و ابن سیرینؒ کے اجتہاد کی پابندی کیونکر کرسکتے ہیں، ہاں جن اجتہادی مسائل میں ان کی رائے ان کے موافق ہوگی وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔

شاہ ولی اللہ کا نظریہ

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کے تابع و پیرو ہیں، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

کان ابوحنیفة رضی اللّٰه عنه الزمهم بمذهب ابراهیم و أقرانه لایجاوزه الاماشاء اللّٰه۔ (۹۳)

امام ابوحنیفہؒ نے ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصروں کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا

وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے مگر بہت کم،

موصوف حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

کان ابو حنیفه رضی اللّٰه عنه الزمهم بمذهب ابراهیم و أقرانه لایجاوزه الاماشاء اللّٰه وکان عظیم الشان فی التخریج علی مذهبه و دقیق النظر فی وجوه التخریجات مقبلاً علی الفروع أتم إقبال ۔ (۹۴)

امام ابوحنیفہؒ ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہمعصر علما کے مذہب کے پابند تھے اور ابراہیم نخعیؒ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے الا ماشاء اللہ وہ ان کے مذہب کے مطابق مسائل کی تخریج کرتے تھے، وہ بڑی شان رکھتے تھے، وجوہ تخریجات کے معلوم کرنے میں دقیق النظر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مذکورہ بالا بیان متعدد وجوہ و اسباب سے محل نظر ہے:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ نے مشہور مجتہدین تابعین کو نام بنام گنا کر بتایا ہے کہ میں ان میں سے کسی مجتہد کے مسلک کی پیروی و تقلید نہیں کرتا، ان میں پہلا نام ابراہیم نخعی کا ہے، پھر ان کے مشہور ہم عصر مجتہدین کے نام ہیں۔

۲۔ خلاصیات کے ماہر ائمہ اصول فقہ اس امر پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ مجتہدین تابعین میں سے کسی امام کے مذہب کے مقلد و ترجمان اور ناشر نہیں، چنانچہ وہ "زاحمنا هم" ہیں کہ ہم نہ ان کے اجماع کو تسلیم کرتے ہیں نہ ان کے مسلک و نظریات کے پیروکار ہیں، بلکہ "**هم رجال و نحن رجال**" وہ بھی مجتہد ہیں، ہم بھی مجتہد ہیں، کے قائل ہیں، ان کو اجتہاد کا حق ہے، ہم بھی اجتہاد کرتے ہیں، ہم ان کے اجتہاد کے پابند نہیں یہ اور بات ہے کہ بعض مسائل میں ہمارا ان کا اتفاق ہو جائے۔

۳۔ انہی وجوہ سے اصولیین امام ابوحنیفہؒ کو مجتہد مطلق مانتے اور ان کے مذہب کے مقلد ہیں۔

۴۔ کوئی اصولی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مذکورہ نظریہ کا ہم نوا نہیں ہے۔

۵۔ محقق عصر علامہ محمد عبدالرشید نعمانیؒ نے ماتمس الیہ الحاجہ میں شاہ ولی اللہ کے مذکورہ نظریے کی تردید کی ہے۔ (۹۵)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کا یہ نظریہ بھی ان کے تفردات میں سے ہے۔

بعض اعتراض کرنے والوں کے اس اعتراض کا کہ امام ابوحنیفہ تابعی نہ تھے، جواب دیتے ہوئے شمس الائمہ رقم طراز ہیں:

عن ابی حنیفة انه قال: اذا اجتمعت و الصّحابة علی شئی سلمناه لهم و اذا اجتمع التابعون زاحمناهم ...... واما ابوحنیفة فهو تابعی قد ادرک فیما یحکی اربعة من الصحابة ...... فجازله مزاحمة التابعین۔

فإن ابا حنیفة قدکان من اهل الاجتهاد فی زمن التابعین، وکان یفقه الناس فیماقیل اربعین سنة وکثیر من التابعین کانوا موجودین بعد سنة عشرین ومائة، فلما لحق ایامهم، وهومن اهل الفتیا، جاز له مخالفتهم والقول معهم۔ (۹۶)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بیان ہے کہ صحابہ کا جب کسی بات پر اجماع ہوجاتا ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اگر تابعین کا کسی بات پر اجماع ہو تو ہم ان کے اجماع کو نہیں مانیں گے، ہم ان کی اس میں مزاحمت کریں گے۔ ابوحنیفہؒ تابعی ہیں، موصوف نے، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے چار صحابہ کو دیکھا ہے، انہیں تابعین سے مزاحمت کرنے کا حق ہے اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ عہد تابعین میں اہل اجتہاد میں سے تھے۔ وہ چالیس برس تک طلبہ کو فقہ پڑھاتے رہے جیسا کہ مشہور ہے اور ان کے زمانے میں ۱۲۰ھ کے بعد بھی تابعین کثیر تعداد میں موجود تھے، امام موصوف اس زمانے میں ان کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اور ابوحنیفہؒ ارباب فتویٰ میں سے تھے، موصوف کو ان کی مخالفت اور موافقت دونوں جائز و درست ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی چالیس سالہ فقہی، تدریسی و تحقیقی خدمات نے فقہ ابوحنیفہؒ کو اسلامی قلمرو میں ایسا پھیلایا اور اس کا نفع ایسا عام و تام کیا تھا کہ شیخ الاسلام سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ کا بیان ہے:

شیئان ماظننت أنهما یجاوزان قنطرة الکوفة وقد بلغا

الآفاق (۹۷)

دو چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میرا وہم وگمان نہ تھا کہ وہ کوفہ کا پل پار کریں گی۔

(قرأۃ حمزہ کسائی اور فقہ ابوحنیفہ) یہ دونوں اسلامی قلمرو کے چپے چپے میں پہنچی ہوئی ہیں۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے تھے:

القرأۃ عندی قرأۃ حمزۃ والفقه فقه أبی حنیفة، علی هذا ادرکت الناس، (۹۸)

میرے نزدیک قرأت، حمزہ کی قرأت ہے، اور فقہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ ہے، میں نے لوگوں کو اسی پر عمل کرتے پایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا سنن وآثار اور فقہ کا علمی وتحقیقی سرمایہ دوسری صدی ہجری میں براعظم ایشیا اور افریقہ میں پہنچ گیا تھا، اسلامی قلمرو کے مرکز عراق، حجاز، خراسان، شام ومصر اور بربر میں یہ علمی ورثہ اپنی افادیت کی وجہ سے مجتہدین اور دانشوروں کے علمی سرمائے میں اپنی جگہ بنا چکا اور مرکز توجہ بن گیا تھا۔

عہد عباسی میں عراق، بغداد، کوفہ وبصرہ علم کے مشہور مرکز تھے، یہاں امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں ان کے شاگردوں اور ہم عصروں کے زیر مطالعہ تھیں، چنانچہ مجتہدین میں امام سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء) کے پاس امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الرہن کا تذکرہ کتب تاریخ میں عام ہے۔(۹۹) دانشور ومورخ محمد بن عمر الواقدیؒ (۱۳۰۔۲۰۷ھ/ ۷۴۷۔۸۲۳ء) کے عظیم کتب خانے (۱۰۰) میں امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں موجود تھیں۔(۱۰۱) یہ ایسا عظیم کتب خانہ تھا جو بغداد میں ان کے نامور شاگرد محمد بن سعدؒ کے پاس بھی منقول ومحفوظ تھا۔(۱۰۲) امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء) ہر جمعہ کو اس کے کتب خانے سے دو جز منگا کر اس سرمائے کا مطالعہ اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔(۱۰۳)

کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اسد بن عمرو البجلی الکوفی المتوفی ۱۸۸ھ کے پاس امام موصوف کی کتابیں موجود ومحفوظ تھیں۔(۱۰۴)

حجاز میں مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، ائمہ مجتہدین میں امام مالک کو نہایت ممتاز مقام حاصل تھا، ان کے مطالعے میں بھی امام ابوحنیفہؒ کا علمی وتحقیقی ذخیرہ موجود تھا، چنانچہ علامہ عبدالعزیز بن محمد دراوردی المتوفی ۱۸۶ھ نے امام مالکؒ کا بیان نقل کیا ہے:

عندی من فقه ابی حنیفة ستون آلاف مسألة۔ (۱۰۵)

میرے پاس امام ابو حنیفہؒ کے ساٹھ ہزار مسئلے موجود ہیں۔

امام مالکؒ بن امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، چنانچہ امام شافعیؒ نے عبدالعزیز دراوردی سے سنا وہ فرماتے تھے:

کان مالکؒ بن انس ینظر کتب أبی حنیفة و ینتفع بها۔ (۱۰۶)

امام مالک بن انسؒ امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اور امام موصوف کی کتابیں مجتہدین کی رہنمائی کرتی تھیں۔

جیسا کہ علامہ جلال الدین السیوطیؒ کے مندرجہ ذیل بیان سے عیاں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ،

امام ابو حنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ یکتا ہیں ایک یہ ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علم شریعت مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس نے موطاء کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔(۱۰۷)

خراسان: ترمذ اور بلخ میں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد عبدالعزیز بن خالد الترمذی امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کی روایت و اشاعت کرتے تھے۔(۱۰۸)

بلخ میں قاضی بلخ ابو مطیع حکم بن عبداللہ البلخی (۱۱۳۔۱۹۷ھ/ ۷۳۱۔۸۱۳ء) موجود تھے یہ امام ابو حنیفہؒ سے کتاب الفقہ الاکبر کے راوی ہیں۔ (۱۰۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی امام ابو حنیفہ کی کتابیں موجود تھیں۔

مرو میں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد عبداللہ بن المبارک مروزی خراسانی (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۷ء) کے پاس بھی امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا بلکہ وہ تحقیقاتی ذخیرہ تو معلوم ہوتا ہے سفر و حضر میں بھی ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ جب بیروت میں عبداللہ بن مبارک کی مجتہد مطلق ابو عمرو عبدالرحمٰن اوزاعی (۸۸۔۱۵۷ھ/ ۷۰۷۔۷۷۴ء) سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ابن المبارک سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق پوچھا تو موصوف نے انہیں امام ابو حنیفہؒ کے فقہی مسائل دکھائے تو ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور امام ابو حنیفہؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوا۔(۱۱۰)

افریقہ، بلادبربرومصر میں، ابوسعید سابق بن عبداللہ المعروف بالبربری، جوشاعروزاہداورامام ابوحنیفہ کے شاگرد وکتاب الآثار کے ان سے راوی ہیں موجود تھے، چنانچہ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر المتوفی ۵۳۱ھ نے تصریح کی ہے کہ بربری، امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کے راوی ہیں۔(۱۱۱)

مصر علوم اسلامی کا مرکز تھا، یہاں امام ابوحنیفہؒ کا علمی ذخیرہ، امام مالکؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسف کے شاگرد، اسد بن الفرات (۱۴۲-۲۱۳ھ/ ۷۵۹-۸۲۸ء) لے کر پہنچے تھے اور امام مالک کے نامور فقیہ عبداللہ ابن وہب المتوفی ۱۹۷ھ اور عبدالرحمٰن ابن القاسم المتوفی ۱۹۱ھ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کے مسائل کے متعلق امام مالکؒ کی آرا ان سے معلوم کیں، چنانچہ فقیہ ابواسحاق شیرازی المتوفی ۴۷٦ھ میں رقم طراز ہیں:

هذه كتب ابي حنيفة، وسال ان يجيب فيها على مذهب مالك(۱۱۲)

اسد نے کہا، یہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں ہیں اور پوچھا آپ ان کا امام مالکؒ کے مسلک پر جواب دیں،

دیار مغرب میں یہی کتابیں کتب الاسدیہ کے نام سے مشہور رہیں۔امام شافعی کے شاگرد اور ان کے مذہب کے راوی، امام طحاوی کے ماموں امام ابوابراہیم اسماعیل مزنی المتوفی ۲۹۴ھ امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، چنانچہ امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کا بیان ہے۔

انی كنت اری خالی يديم النظر فی كتب ابی حنيفة فلذلك انتقلت إليه۔ (۱۱۳)

میں دیکھتا تھا کہ میرے ماموں ہمیشہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے، چنانچہ میں نے شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کیا۔

ابن الندیم نے امام ابوحنیفہؒ کی تدوین علم کی خوبی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

العلم براً و بحراً شرقاً و غرباً بعداً و قرباً تدوينه، رضی اللّٰه عنه،

اللہ امامؒ سے راضی ہو، اس تدوین نے خشکی و سمندر، مشرق و مغرب، دور ونزدیک ہر جگہ کو علم سے بھر دیا ہے۔(۱۱۴)

امام ابوحنیفہؒ کا عظیم ترین کارنامہ

تابعین کے دور میں علم شریعت کی تشکیل و تدوین کی سعادت امام حنیفہؒ کو حاصل ہے، چنانچہ قاضی ابوبکر عتیق بن داؤد یمانیؒ اپنے رسالے "فضل ابی حنیفہؒ" میں رقم طراز ہیں:

وابو حنیفة اوّل من دوّن علم هٰذه الشریعة، لم یسبقه احدممن قبله، لان الصّحابة و التابعین رضی اللّٰه عنهم لم یضعوا فی علم الشریعة ابواباً مبوبة ولا کتاباً مرتبة، و انما کانوا یعتمدون علی قوة فهمهم وجعلوا قلوبهم صنادیق علمهم، فنشأ ابو حنیفة بعدهم فرأی العلم منتشراً، فخاف علیه الخلف السّوء أن یضیعوه، ولهٰذا قال صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه تعالیٰ لایقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من الناس و انما ینتزعه موت العلماء فیبقون بغیر علم فیضلون ویضلون، فلذٰلک دوّنه ابو حنیفة ابواباً مبوبة و کتباً مرتبة، فبدأ بالطهارة، ثم با لصلاة ثم بسائر العبادات علی الولاء، ثم با لمعاملات ثم ختم بکتب المواریث۔ وانما ابتدأبا لطهارة ثم بالصلاة لان المکلّف بعد صحة الاعتقاد اول مایخاطب بالصلاة لانها اخص العبادات واعم وجوبا، و اخر المعاملات لانّ الاصل عدمها و براءة الذمة منها، و ختمه بالوصایا و المواریث لانّها آخر احوال الانسان فمااحسن ماابتدأ به و ختم، ثم جاء الائمة من بعده، فاقیموا من علمه و اقتدوابه، و فرعوا من کتبهم علیٰ کتبه ......

فاذا کان اللّٰه تعالیٰ قدضمن لنبیه صلی اللّٰه علیه وسلم حفظ الشریعة کان أبوحنیفة اوّل من دونها، فیبعد أن یکون اللّٰه تعالیٰ قدضمنها ثم یکون اول من دونها علی خطأ۔ (۱۱۵)

امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کے علم کو مدون و مرتب کیا اور کسی کو ان پر سبقت حاصل نہیں، اس لئے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے علم شریعت ابواب میں مدون نہیں کیا تھا اور نہ کتابی صورت میں ترتیب دیا تھا، وہ صرف اپنی قوت فہم پر بھروسہ رکھتے تھے، انہوں نے اپنے دل و دماغ کو علم کا خزانہ بنایا ہوا تھا، ان اکابر تابعین کے بعد جب ابو حنیفہ نمایاں ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ علم شریعت منتشر ہے، انہیں خطرہ ہوا کہ بعد میں آنے والی نسلیں اس علم کو برباد کردیں گی، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم چھین نہیں لے گا بلکہ وہ عالموں کو دنیا سے اٹھالے گا پھر دنیا میں جاہل سردار رہ جائیں گے، جن کے پاس علم نہ ہوگا، وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس لئے ابو حنیفہؒ نے شریعت کا علم مدون و مرتب کیا اور اس کی ابواب میں ترتیب کی، کتاب میں عنوان اور ابواب قائم کئے، چنانچہ کتاب الطہارت سے ابتدا کی، پھر کتاب الصلاۃ کا عنوان قائم کیا، پھر عبادات کے تمام ابواب ترتیب وار مقرر کئے، پھر معاملات کے ابواب قائم کئے اور میراث کے ابواب پر شریعت کو ختم کیا۔ آغاز طہارت سے کیا، پھر صلاۃ کا عنوان لگایا، اس لئے کہ ہر مکلّف انسان کو صحت اعتقاد کے بعد نماز پڑھنے کا حکم ہے، یہ خاص اور اہم عبادات میں سے ہے، ہر مکلّف پر فرض ہے، آخر میں معاملات ہیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ یہ معاملات نہ ہوں اور انسان ان سے بری الذمہ ہو، کتاب کا خاتمہ وصایا اور مواریث پر کیا، اس لئے کہ ان کا تعلق اس کے آخری حالات سے ہے، کیسی اچھی ابتدا اور کیسا اچھا خاتمہ ہے، جو ائمہ امام ابو حنیفہؒ کے بعد آئے انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے علم سے فائدہ اٹھایا، ان کی پیروی کی اور ان کتابوں پر اپنی کتابوں کی تفریع کی، انہی سانچوں میں اپنی کتابوں کو ڈھالا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی تدوین کی ہے، تو بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضمانت لے اور اس کا پہلا مدون غلطی کرے۔

اجتہادی مسائل میں ائمۂ فقہا کی کشادہ دلی

مجتہدین میں جس طرح اجتہادی مسائل کے استنباط و استخراج میں اختلاف نظر رہا، یہ اختلاف ان کے شاگردوں میں بھی نمایاں رہا جو اجتہادی مسائل میں ان کی کشادہ دلی و برداشت اور رواداری کی نہایت روشن دلیل ہے۔ چنانچہ مسجد حرام مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت اعمش (۶۱۔۱۴۸ھ ۶۸۱۔۷۶۵ء) امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ) اور حضرت عثمان بتی (۱۴۳ھ) تشریف فرما تھے، کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، مسئلہ ایک اور ہر امام کا جواب مختلف، مسئلہ پوچھنے والے سے نہ رہا گیا، اس نے ان سے پوچھا کہ وجہ اختلاف آخر ہے کیا؟ مورخ خطیب بغدادی، اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> حضرت اعمش کوفہ سے، حضرت مالک بن انس مدینہ سے اور حضرت عثمان بتی بصرہ سے، حج کے لئے نکلے اور مسجد حرام میں بیٹھ کر فتوے دیئے، وہ فتوے ایک دوسرے کے خلاف ہوئے تو ایک شخص نے حضرت اعمشؒ سے عرض کی، آپ اہل مدینہ کے خلاف فتوئی دیتے ہیں، حضرت اعمشؒ نے جواب میں کہا ہم میں اور اہل مدینہ میں اختلاف آج کا نہیں، پرانا ہے، چنانچہ ہم اپنے علما کے قول کو پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے علما کے قول کے دلدادہ ہیں (ہر ایک اپنے اسلاف کے اقوال و آراء پر عمل کرتا ہے سب دین پر عمل کرتے ہیں) (۱۱۶)

اسلامی دنیا کے چار مقبول و عظیم الشان فقہی مذاہب

مذاہب اربعہ جنہیں اسلامی دنیا میں شہرت حاصل ہے ان میں:

۱۔ عظیم ترین مذہب حنفی مذہب ہے، پھر عظیم تر مذہب۔
۲۔ شافعی مذہب، اس کے بعد،
۳۔ مالکی مذہب اور پھر،
۴۔ حنبلی مذہب ہے، موخر الذکر مذاہب ثلاثہ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ اور فقیہان کوفہ کے مرہون منت ہیں، خاص طور پر امام محمد رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ شاگردوں کا فیض وثمرہ ہیں علامہ شمس الدین الذہبی، فقیہان کوفہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''اہل کوفہ میں سب سے بڑھ کر فقیہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ ہیں اور ان دونوں مجتہدوں کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ، علقمہؒ اور علقمہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ، ابراہیمؒ تھے، اور ابراہیمؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ حمادؒ تھے، اور حماد کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو حنیفہؒ تھے، اور ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو یوسفؒ تھے، ان کے شاگرد سارے جہاں میں پھیل گئے اور ان کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ محمدؒ تھے اور محمدؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابوعبداللہ الشافعیؒ تھے۔'' (۱۱۷)

کوفے میں مجتہدین فقہا کی فراوانی

خطیب بغدادی نے جب قاضی محمد بن عبداللہ النہروانی (۳۲۵-۴۰۲ھ/ ۹۳۷-۱۰۱۱ء) کے معاصرین کا حسب ذیل قول نقل کیا:

لم یکن بالکوفة من زمن عبداللّٰہ بن مسعودؓ إلی وقته أفقه منه (۱۱۸)

کوفے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ان کے زمانے تک ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں گزرا۔

اس خلاف واقعہ بات پر مورخ ذہبی فقیہانِ کوفہ کو نام بنام گناتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

قلت: بل کان بالکوفة وبین ابن مسعود جماعة افقه منه، کعلقمة، و عبیدة السلمانی، و جماعة، ثم کالشعبی، و ابراهیم النخعی، ثم کحماد و الحکم ومغیرة وعدة ثم کان شبرمة و ابی حنیفة، و ابن ابی لیلٰی، و حجاج بن ارطاة، ثم کسفیان الثوری، و مسعر والحسن بن صالح، و شریک، ثم وکیع، و حفص بن غیاث، و ابن ادریس و خلق۔ (۱۱۹)

میں کہتا ہوں: ایسا نہیں ہے بلکہ کوفے میں اس (قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ النہروانی) کے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیانی زمانے میں ایک جماعت اس

سے بڑھ کر فقیہہ گزری ہے، جیسے حضرت علقمہ، عبیدہ سلمانی اور ایک جماعت پھر جیسے شعبی، ابراہیم نخعی، پھر حماد، حکم، مغیرہ ابن عبدالرحمٰن الحزومی (۱۸۷ھ/۸۰۳ء) اور کئی اور پھر ابوشبرمہ عبداللہ بن شبرمہ کوفی (۹۲۔۱۴۴ھ/۷۰۰۔۷۶۱ء) ابوحنیفہ، احمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (۷۴۔۱۴۸ھ/۶۹۳۔۷۶۷ء) حجاج بن ارطاۃ (۱۴۵ھ/ ۷۶۲ء) پھر سفیان ثوری، مسعر، حسن بن صالح ہمدانی (۱۰۰۔۱۶۷ھ/ ۷۱۸۔۷۸۳ء) شریک بن عبداللہ کوفی (۹۵۔۱۷۷ھ/ ۷۱۳۔۷۹۴ء) پھر وکیع، حفص بن غیاث (۱۱۷۔۱۹۴ھ/۷۳۵ ۔ ۸۱۰ھ) عبداللہ بن ادریس الکوفی (۱۲۰۔۱۹۲ھ/۷۳۸۔۸۰۸ء) اور ایک خلق کثیر ہے۔

اصحاب الرای چوتھی صدی ہجری تک

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک فقہ حدیث سے آراستہ دقیق النظر اہل الرای کا سلسلہ برابر قائم رہا، انہیں حدیث میں بصیرت حاصل رہی، وہ اس کی طلب میں سفر کرتے اور معرفت حدیث میں اپنے ہم عصروں میں نمایاں رہے جو کہ حدیث واثر اور فقہ ونظر دونوں میں ممتاز و ماہر ہوتے تھے۔ حافظ شمس الدین الذہبی، حافظ علامہ علی بن موسیٰ القمی النیسابوری المتوفی ۳۰۵ھ کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

> اہل الرأی حدیث میں صاحب بصیرت ہوتے تھے، وہ حدیث کی طلب میں سفر کرتے اور حدیث کی معرفت میں آگے رہتے تھے، لیکن اس زمانے (آٹھویں صدی ہجری) میں محدث نے درہم اور خطبے پر قناعت کی ہے، نہ وہ فقہ حدیث کو سمجھتا اور نہ حدیث کو یاد کرتا ہے، جیسے فقیہہ، فقہ سے چمٹا ہو، لیکن اسے اچھی طرح نہیں سمجھتا، حدیث وہ جانتا ہی نہیں کہ وہ کیا ہے، بلکہ اس کی نظر میں موضوع اور صحیح حدیث دونوں برابر ہیں، (وہ گھڑی ہوئی اور صحیح حدیث میں فرق کرنے سے قاصر ہے) اور وہ کبھی پایۂ اعتبار سے ساقط حدیث کا معارضہ صحیح حدیث سے کر بیٹھتا ہے۔ اور ہٹ دھرمی سے کہتا ہے کہ ناقابل اعتبار حدیث زیادہ صحیح اور قوی ہے۔(۱۴۰)

مجتہدین اربعہ کی تصحیح احادیث کا حکم

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ مجتہد جس حدیث سے دلیل و حجت پکڑتا اور استدلال کرتا ہے وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہوتی ہے جیسے ہماری نظر میں صحیح البخاری کی حدیث صحیح ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ تعجیل المنفعہ میں حافظ محمد بن علی بن حمزہ دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ کی کتاب التذکرہ سے نقل کرتے ہیں کہ موصوف کا بیان ہے:

ذكرت رجال الائمة الاربعة المقتدىٰ بهم لأن عمدتهم في استدلالهم لمذاهبهم في الغالب على ماروره في مسانيدهم "و الموطا"، لمالک هو مذهبه الذي يدمن الله به أتباعه، و يقلدون مع أن لم يرو فيه إلا الصحيح عنده، و كذلک "مسند الشافعي" موضوع لأدلته على ماصح عنده من مروياته و كذلک "مسند أبي حنيفة" و "مسند احمد" فإنه اعم من ذلک كله و أشمل انتهىٰ من كلامه (۱۲۱)

میں نے کتاب التذکرہ میں چاروں مذاہب کے پیشواؤں (امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ) کے راویانِ سند کا تذکرہ قلمبند کیا ہے، اس لئے کہ ان ائمہ اربعہ کے بیانِ مذاہب میں ان کے قابل اعتماد استدلال اکثر و بیشتر وہ حدیثیں ہیں جو ان کی سندوں سے ان کی اسانید میں منقول ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ کی الموطا، مالکی مذہب کی ایسی کتاب ہے جو اللہ کی فرمانبرداری اور شرعی احکام میں مالکی مذہب کے پیروؤں کی رہنمائی کرتی ہے اور الموطا میں جو آثار اور حدیثیں مروی ہیں وہ امام کی نظر میں صحیح ہیں۔ اسی طرح مسند الشافعی ہے کہ وہ امام شافعی کے دلائل کی جامع ہے۔ اس میں ان کی صحیح مرویات کو پیش کیا گیا ہے۔ یہی حال مسند ابی حنیفہ کا ہے اور یہی خصوصیت مسند احمد کی ہے۔ یہ سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ عام ہے۔

مذکورہ بالا تصریح سے معلوم ہوا کہ حفاظ حدیث میں حافظ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی اور حافظ الدنیا

ابن حجر عسقلانی دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کے یہاں صحیح ہونے کی دلیل ہے، ظاہری بات ہے بھلا مجتہد غیر صحیح حدیث سے بھلا کیونکر استدلال کرسکتا ہے۔

عہدِ تابعین میں فقہی ابواب پر سُنن و آثار کا اولین ذخیرہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب الآثار مجتہدین صحابہ وخیار تابعین اور فقہائے امصار سے مروی سنن و آثار کا مجموعہ، ابواب فقہ پر سب سے پہلا مرتب، قدیم ترین ومعتبر ترین ذخیرہ ہے، اس کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مسلم ائمہ کے دوسرے مجتہد امام مالک رحمہ اللہ نے ''الموطاء'' کی تالیف میں اس سے استفادہ اور اس کا تتبع اور پیروی کی ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں،

من مناقب أبی حنیفة التی انفرد بها انه اول من دوّن علم الشریعة ورتبه ابواباً ثم تبعه مالک بن انس فی ترتیب "الموطا" ولم یسبق اباحنیفة احد۔ (۱۲۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد و یکتا ہیں، ایک یہ امر بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مرتب و مدون کیا اور اس کی (فقہی) ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے ''موطا'' کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔

اور نامور محدث ابن حجر مکی کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث میں سے کیا ہے۔ (۱۲۳)

مسانید میں مسند ابی حنیفہ کا مقام

امام اعظم رحمہ اللہ کی احادیث و روایات کو بعض ایسے ائمہ فن حفاظ نے جمع کیا جنہیں اپنی تالیفات میں موصوف کا تذکرہ کرنا بھی گوارا نہ ہوا، چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی شافعی المتوفی ۴۳۰ھ نے ''کتاب حلیۃ الاولیاء'' میں امام موصوف کا تذکرہ نہیں کیا اور اگر اپنی تصانیف میں ان کے متعلق کچھ لکھا بھی تو خلاف ہی لکھا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مسند ترتیب دی اور ان کی احادیث و روایات کی خوب چھان

یمین کی نگرانہیں کوئی قابل گرفت بات نہیں مل سکی، حافظ ابن عدی جرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے امام اعظم کی مسند مرتب کی اوّل الذکر کی مسند زیورطبع سے آراستہ ہوکر بازار میں آ گئی ہے، اس میں ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جسے وہ ضعیف یا موضوع قرار دیتے، ثانی الذکر کی مسند ابھی طبع نہیں ہوسکی۔ یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث وآثار، روایات ومرویات کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبول حاصل ہونے کی ایک دلیل ہے۔

مسانید کی تاریخ میں یہ خصوصیت وامتیاز بھی امام ابوحنیفہؒ کی مسند کو حاصل ہے کہ اسے بہت سے حفاظ نے مرتب کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن نقطہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۹ ھ "**کتاب التقیید لمعرفة الرواة والسنن والمسانید**" میں رقم طراز ہیں:

وأما المسانید، فمسند احمد بن حنبل، و مسند الشافعي و مسند أبي حنیفة جمعه غیر واحد من الحفاظ۔ (۱۲۴)

اور البتہ مسانید تو مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور مسند شافعی اور مسند أبی حنیفہ میں مسند أبی حنیفہ کو بہت سے حفاظ حدیث نے جمع کیا ہے۔

یہ امر بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی احادیث وآثار کے متداول ومقبول ہونے کی روشن دلیل ہے۔

روایاتِ امام ابوحنیفہؒ سے ان کے تلامذہ اور ائمہ حفاظ کا اعتنا

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کا ان سے بکثرت حدیثوں کا سماع کرنا اور اپنی سند سے روایتیں بیان کرنا بھی تاریخ وسیرت کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ حافظ محمد بن مطری (۲۶۵۔۳۲۰ھ) کے متعلق حاکم نیشا پوری "تاریخ نیسابور" میں رقم طراز ہیں:

شیخ العدالة ومعدن الورع والمعروف بالسماع والرحلة والطّلب علی الصدق والضبط والاتقان۔ (۱۲۵)

موصوف صفت عدالت میں ممتاز اور کانِ ورع وتقویٰ تھے، سماعِ حدیث وطلب حدیث کی خاطر سفر کرتے، راست گوئی اور ضبط واتقان کی صفت سے آراستہ تھے۔

موصوف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی سند سے بیان کرتے تھے، چنانچہ ان کے شاگرد

حافظ ابوالعباس احمد عقدۃ (۲۴۹۔۳۳۲ھ) کے متعلق علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ نے کتاب الانساب‘‘ میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے ’’احادیث أبی حنیفہ‘‘ اور دوسرے محدثین کی حدیثوں کو موصوف کی سند سے بیان کیا ہے۔(۱۲۶)

چوتھی صدی ہجری تک محدثین میں ائمہ فن کی حدیثوں کو یاد کرنے اور ان کا مذاکرہ کرنے کا سلسلہ قائم تھا، چنانچہ ان میں امام ابوحنیفہؒ کی حدیثوں کو یاد کرنے ان کا مذاکرہ کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کا چلن بھی موجود تھا۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری ’معرفۃ علوم الحدیث‘‘ کی انچاسویں نوع میں، اہل کوفہ کے تذکرے میں امام ابوحنیفہؒ کے نام کی صراحت موجود ہے۔

مذکورہ بالا عنوان کے تحت امام ابوحنیفہؒ اور ان کی سند سے مروی سنن و آثار کے متعلق گیارہ باتیں آشکارا ہوتی ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔
۲۔ معتبر و ثقہ راوی ہیں۔
۳۔ ائمہ فن حدیث میں سے ہیں۔
۴۔ غیر معروف نہیں مشہور امام ہیں۔
۵۔ ان کی حدیثوں سے اعتنا کیا جاتا رہا ہے۔
۶۔ انہیں سنا جاتا تھا۔
۷۔ یاد کیا جاتا تھا۔
۸۔ جمع کیا جاتا تھا۔
۹۔ ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا۔
۱۰۔ ان سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔
۱۱۔ چوتھی صدی ہجری ۱۰۰۹ء تک اسلامی قلم رو کے مشرق و مغرب کے محدثین وحفاظ کا ان باتوں پر عمل جاری تھا۔

امام ابوحنیفہ کی کتاب الآثار و مسانید میں منقولہ احادیث و آثار کو یاد کیا جاتا اور ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا، اس لئے کہ کتاب الآثار ان کے تلامذہ میں متداول و معمول بہا رہی ہے اس کی احادیث و آثار سے محدثین وحفاظ کے یہاں اعتناء پایا جاتا ہے اور ائمہ فن کے یہاں امام ابوحنیفہؒ اور ان کی کتاب کو قبول عام

حاصل تھا۔

امام ابوحنیفہ کی روایات کے وجوہ ترجیح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات کے وجوہ ترجیح امور بالا کی روشنی میں حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کی فہم وفراست اوران کی اصابت رائے پر کم وبیش تمام علما کا اتفاق ہے۔

۲۔ حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے۔

۳۔ وہ نہایت ثقہ ومعتبر راوی ہیں۔

۴۔ ائمہ فن سے انہیں احادیث کا بکثرت سماع حاصل ہے۔

۵۔ ان کی راویان حدیث کے مراتب پر گہری نظر ہے۔

۶۔ وہ خیار تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

۷۔ ان کی سند میں زیادہ تر فقہائے امصار ہیں، جن کا مرتبہ ہر اعتبار سے نہایت بلند ہے۔

۸۔ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے کی خیر و برکت اور بہتر ہونے کی مہر صداقت زبان رسالت سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ......الخ(۱۲۷الف)

زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا ہے جو میرے بعد آئیں گے۔

۹۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شیوخ واساتذہ کو تقدم زمانی حاصل ہے اس لئے کہ ان کا تعلق خیرالقرون سے ہے۔

۱۰۔ اورانہیں تقدم علمی بھی حاصل ہے، اس لئے کہ ان کی سند بھی عالی ہے۔

۱۱۔ ان کے شیوخ واساتذہ سیادت وقیادت علمی سے ممتاز ہیں۔

۱۲۔ صحاح کی زیادہ تر حدیثوں کا دارومدار ان کے شیوخ کی اسانید پر ہے۔

۱۳۔ شیوخ حدیث کی سند اور فقہا کی سند سے مروی حدیث کی ترجیح کا مسئلہ اصول حدیث کی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد وکیع بن الجراح کی سند سے آیا ہے(۱۲۸) اور شیوخ کے مقابلہ میں فقہا کی سند والی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ کی مروی حدیث کو ترجیح حاصل ہونا چاہئے۔

۱۴۔ ائمہ فن جرح وتعدیل کا امام ابوحنیفہؒ کے قول سے سند پیش کرنا اس فن میں ان کی مہارت فن اور دقت نظر کی روشن دلیل ہے۔

۱۵۔ امام ابوحنیفہؒ کے ذخیرۂ سنن وآثار کا شرقاً وغرباً حفظ ومذاکرہ۔

۱۶۔ امام ابوحنیفہؒ کی حدیث بیان کرنے کی شرائط سخت ہیں۔

الف۔ معرفت حدیث،

ب۔ حفظ،

ج۔ حدیث کی سماعت درست،

د۔ فراست وفہم بھی صحیح ہو،

ہ۔ اداء بھی سماعت کے مطابق ہو۔(۱۲۹)

یہی وجوہ واسباب ہیں جن کی بناپر امام موصوف سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں، چنانچہ سید الحفاظ یحییٰ بن معینؒ کا بیان ہے:

کان ابو حنیفة ثقة لا یحدث الا بما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ (۱۳۰)

امام ابوحنیفہؒ ثقہ تھے جو حدیث انہیں حفظ ہوتی صرف وہی بیان کرتے اور جو حفظ نہ ہوتی اسے بیان نہیں کرتے تھے۔

۱۷۔ امام ابوحنیفہ امام فن، کتاب الآثار کے مصنف ہیں، حدیث کی کتاب کی تصنیف، تقرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔

۱۸۔ امام ابوحنیفہؒ مقبول کتاب امام ہیں، ان کی پیروی اور تقلید کی جاتی ہے، ایسے امام سے روایت تقریب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

دسویں صدی ہجری میں مذہب امام ابوحنیفہؒ کا تنقیدی جائزہ

دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالوہاب الشعرانی الشافعی المتوفی ۹۷۳ھ سے جیسے بالغ نظر محقق و نے مذاہب اربعہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، موصوف کو اس امر کا اعتراف ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قرآن و سنت اور آثار کے مطابق ہے، چنانچہ امام موصوف رقمطراز ہیں۔

وحاشا رضي الله عنه من القول في دين الله بالرأي الذي لايشهد ظاهر كتاب ولا سنة ...... وقد تثبت بحمدلله أحواله وأقوال أصحابه لمّا ألّفت كتاب أدلة المذاهب فلم أجد قولاً من أقواله، وأقوال أصحابه إلّا وهو مستند الى آية أو حديث، أوأثر، أوإلى مفهوم ذلك، أو إلى قياس صحيح على أصل صحيح۔ (۱۳۱)

اللہ تعالٰی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام میں ایسی رائے سے جس کا ظاہر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ میں شاہد موجود نہ ہو، پیش کرنے سے بچایا ہے، اور اللہ تعالٰی کا شکر ہے بحمداللہ میں نے جب ادلۃ المذاہب پر کتاب مرتب کی تو میں نے ان کے اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں ہر قول کو دیکھا تو انہیں ۱۔ آیت قرآنی، ۲۔ حدیث اور اثر، ۳۔ یا ان کے مفہوم، ۴۔ یا قیاس صحیح کی طرف جو اصل صحیح پر مبنی ہو، پایا ہے۔

اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی امام فن کی دو، چار، چھ روایت پر کلام ہو یا اس سے دو، چار، دس غلطیاں ہو جائیں تو اس سے نہ اس کے علم پر حرف آتا ہے نہ اس کی علمی شان میں کوئی فرق آتا ہے، اساطین علم اور ائمہ فن سے بھی دو، چار، دس جگہ غلطیاں ہو جاتی ہیں، اس سے ان کی علمی قدر و منزلت اور جلالت شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بھول چوک بڑے بڑوں سے ہوتی ہے، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی حسین المعلم المتوفی ۱۵۰ھ کے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

ليس من شرط الثقة أن لا يغلط أبداً، فقد غلط شعبة و مالک و ناهيک بهما ثقة ونبلا وحسين المعلّم ممن و ثقه يحييٰ بن معين و من تقدم مطلقاً وهو من كبار آئمة الحديث۔ (۱۳۲)

ثقہ کی شرط یہ نہیں ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے، شعبہؒ سے غلطی ہوئی، مالکؒ سے بھول چوک ہوئی ہے، اور تمہارے لئے ان دونوں کی ثقاہت، شرافت و عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے۔

حسین المعلم کی توثیق یحییٰ بن معین نے کی ہے اور اس سے پہلے کے علما نے اس کی مطلقاً توثیق کی ہے اور وہ کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

حافظ ذہبی حافظ ابوداؤد الطیالسی المتوفی ۲۰۴ھ کی فروگزاشت اور بھول چوک کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

سلیمان بن داؤد، ابوداؤد الطیاسی ثقة ماعلمت به بأساً وقداخطاء فی احادیث فکان ماذا۔ (۱۳۲)

سلیمان بن داؤد ابوداؤد الطیالسی ثقہ ہے، مجھے موصوف کے متعلق کسی خرابی کا علم نہیں، بلاشبہ کچھ حدیثوں میں ان سے بھول چوک ہوئی ہے، تو اس سے کیا ہوگیا، بھول چوک میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔

شمس الدین ذہبی علی بن فضیل کے تذکرے میں فضیل بن عیاضؒ المتوفی ۱۸۷ھ کے متعلق رقم طراز ہیں:

قلتُ : إذاکان مثل کبراء السابقین قدتکلم فیهم الروافض والخوارج و مثل الفضیل یتکلم فیه فمن الذی یسلم یُسلم من السنة الناس لکن إذاثبت امامة رجل وفضله۔ لم یضره مماقیل فیه، (۱۳۳)

میں کہتا ہوں جب سابقین اوّلین (حضرت ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم) میں رافضیوں اور خارجیوں نے کلام کیا، اسی طرح فضیل بن عیاض جو سنت کی اتباع کرتے تھے متقی تھے ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے تو ان لوگوں کی زبانوں سے کون بچ سکتا ہے؟ لیکن ایسے عالم کا جس کی امامت و فضیلت اور ورع وتقویٰ ثابت ہو، قیل وقال اور جرح وقدح سے کچھ نہیں بگڑتا۔

جرح وقدح میں معیار

جرح وقدح میں معیار عدل وانصاف کی ترازو ہے، اس کے باٹ امامت وتقویٰ ہیں، انصاف کی ترازو میں تولو اس ترازو میں جو پورا اترے لوگوں کی قیل وقال اور جرح وقدح سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا

ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ پر جرح وقدح پر علما توجہ نہیں کرتے اور نہ ان سے اعتنا کرتے ہیں۔

کسی محدث کی حدیثوں کونظر انداز کرنے کامعیار

کسی محدث کی حدیثوں کونظر انداز کرنے کا معیار یہ ہے کہ وہم حدِ فاحش تک پہنچے، اس طرح درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہوکر رہ جائے تو پھر وہ چھوڑنے کے لائق ہوجاتا ہے۔

چنانچہ ابو حاتم بستی المتوفی ۳۵۴ھ حافظ عبدالملک العرزمی المتوفی ۱۴۵ھ کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

> كان عبدالملک من خيار أهل الكوفة، و حفاظهم، والغالب علٰى من يحفظ ويحدث من حفظه أن يهم، وليس من الإنصاف تركُ حديث شيخ ثبت، صحت عدالته، لو سلكنا هذا المسلک للزمنا ترک حديث الزهری، وابن جريج، والثوری، و شعبة، لأنهم أهلُ حفظ و إتقان وكانوا يحدثون من حفظهم، ولم يكونوا معصومين، حتٰى لايهموا فی الروايات۔ بل الاحتياط و الأولٰى فی مثل هذا قبول مايروی الثبت من الرويات، ترک ماصح أنه وهم فيه، مالم يفحش ذالک منه، حتي يغلب علٰى صوابه، فاذا كان كذالک، استحق الترک، حينئذ(۱۳۴)
>
> عبدالملک بن ابی سلیمان عرزمی اہل کوفہ میں بہترین محدثین اوران کے بہترین حفاظ حدیث میں سے تھے، جس پر حفظ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنی یادداشت وحفظ سے حدیث بیان کرتا ہے، (تو اسکو کبھی بلا اختیار) وہم لاحق ہوجاتا ہے، اور یہ انصاف کی بات نہیں کہ ایسے متقن شیخ کی حدیث کو جس کی عدالت صحیح ہو، اس سے روایات میں کچھ وہم واقع ہوجائے تو اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے، اگر ہم اس روش پر چلنے لگے تو ہم پر

لازم ہو جائے گا کہ ہم زہری، ابن جریج، ثوری اور شعبہ کی حدیثوں سے دست بردار ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اہل حفظ و اتقان تھے، اور وہ اپنے حافظے کے بل بوتے پر حدیثیں بیان کرتے تھے، وہ معصوم نہ تھے کہ روایات میں ان سے وہم نہ ہوتا ہو، بلکہ ایسی صورت میں احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ ایسے متقن کی روایات کو قبول کیا جائے، اور اس کی ان روایات کو چھوڑ دیا جائے، جن میں صحیح طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں وہم ہوا ہے اور اس سے وہم حد فاحش تک نہ پہنچے کہ اس کا درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہو کر رہ جائے جب ایسا ہو جائے تو اس وقت وہ چھوڑنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

یہ معیار ہے جس پر کسی محدث کو اور اس کی روایات کو نظر انداز کیا جاتا ہے، چنانچہ محقق عبدالعزیز بخاری المتوفی ۷۳۰ھ رقمطراز ہیں:

ليس كل من اتهم بوجه ساقط الحديث مثل عبدالله بن لهيعه والحسن بن عمارة و سفيان الثوری و غيرهم، و أنه قدطعن فی كلّ واحد منهم بوجه، ولكن علو درجتهم فی الدين و تقدم رتبتهم فی العلم و الورع منع من قبول ذلک الطعن فی حقهم، ومن ردحديثهم به، اذلو رُد حديث امثال هولاء بطعن كلّ أحد، انقطع طريق الرواية واندرس الأخبار، إذلم يوجد بعد الانبياء عليهم السلام من لايوجد فيه ادنىٰ شئی ممايجرح به إلاّ مَن شاء اللّٰه تعالیٰ، فلذلک لم يُلتفت الی مثل هذا الطعن ويحمل علی أحسن الوجوه، وهو قصد الصيانة كما ذكر۔ (۱۳۵)

ہر وہ عالم جسے کسی وجہ سے متہم کیا گیا اس کی روایت ساقط الاعتبار نہیں، جیسے عبداللہ بن لہیعہ حسن بن عمارہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی وجہ سے طعن و حرف گیری کی گئی ہے، لیکن دین میں ان کے بلند مراتب اور علم و تقویٰ میں ان کے مرتبہ و مقام کی عظمت، ان کے حق میں ان کے طعن و تشنیع کو قبول کرنے اور ان کی

حدیث کو رد کرنے سے مانع ہے۔اس لئے کہ اگر ان جیسے بلند پایہ حفاظ ومحدثین کی حدیث کو ہر ایک کی طعن وتشنیع سے رد کیا گیا تو روایت کا راستہ بند ہو جائے گا اور سلسلۂ روایت ہی مٹ جائے گا،اس لئے کہ انبیا علیہم السلام کے بعد شاذ ونادر کوئی ہو جس پر ادنیٰ سی جرح بھی نہ کی گئی ہو اس لئے اس جیسے طعنوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور اس کا بہت اچھا محمل نکالا گیا،اور اس قسم کے طعن سے ان کی حفاظت کرنا لازم ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی چند حدیثوں پر ابن عدی المتوفی ۲۶۵ھ اور دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ کو اعتراض ہے۔

اولاً علماء نے ان کے جواب دیے ہیں۔ثانیاً پانچ دس حدیثوں پر کلام ہر مجتہد اور امام فن کے یہاں موجود ہے،کوئی امام بھی معصوم نہیں،آخر امام اعظم بشر تھے،نبی تو نہیں کہ ان سے خطا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ سے روایت پرستوں کی مخالفت کے عناصر اربعہ

امام ابوحنیفہؒ سے روایت پرست محدثین کی مخالفت کے مندرجہ ذیل چار عناصر ہیں:

۱۔ رائے وقیاس کا استعمال،

۲۔ صحیح سند سے آئی ہوئی حدیثوں کا رد،

۳۔ ارجاء کا قول،

۴۔ ابوحنیفہؒ کی فطانت وذہانت۔(سبب حسد)

۱۔ رائے وقیاس کا استعمال

مذکورہ بالا عناصر اربعہ کا تحقیقی جائزہ حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر قرطبی ۴۶۳ھ نے لیا ہے،وہ کہتے ہیں کہ

اصحاب الحدیث ابوحنیفہؒ کی برائی کرنے میں حدود سے باہر نکل گئے ہیں ان کے یہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف نے آثار میں رائے اور قیاس کو داخل کیا اور رائے وقیاس کا اعتبار کیا،حالانکہ بیشتر اہل علم کہتے ہیں کہ جب اثر وحدیث صحیح ثابت ہو جائے تو قیاس اور نظر باطل ہو جاتی ہے۔ابوحنیفہؒ کا اثر وحدیث

کو رد کرنا اس محتمل تاویل کی وجہ سے ہے جو اخبار آحاد میں پائی جاتی ہیں، حالانکہ امام موصوف سے پہلے بہت سے اہل علم یہ کام سرانجام دے چکے ہیں اور ابوحنیفہؒ انہی کی روش پر چلے ہیں جو ان کی طرح رائے کے قائل تھے، اسی قسم کی تمام تر باتیں جن کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے۔ وہ موصوف کے اہل بلد (فقہا) جیسے ابراہیم نخعیؒ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ کی پیروی کا ثمرہ ہیں مگر بات اتنی ہے کہ موصوف اور ان کے شاگرد نت نئے پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے میں بہت زیادہ منہمک رہے ہیں۔ اور ان مسائل میں انہوں نے قیاس و استحسان سے جواب دیا، اس لئے اس میں سلف کا اختلاف زیادہ ہوا اور یہ ان کے مخالفین کے نزدیک نئی اور بری بات تھی۔ اور اہل علم میں سے میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس سے:

۱۔ آیت میں تاویل منقول نہ ہو، یا

۲۔ سنت میں اس کا کوئی مذہب ہے تو اس مذہب کی وجہ سے اس نے دوسری سنت کو مناسب تاویل سے رد نہ کیا ہو یا

۳۔ اس کے متعلق نسخ کا دعویٰ نہ کیا ہو، مگر بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ بات دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پائی گئی اور دوسروں میں یہ بات کم پائی گئی ہے۔

تفریع مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا نقطہ نظر

پیش آنے والے مسئلوں کا حل پہلے نکالنا چاہئے تاکہ وقت پر کسی طرح کی زحمت نہ ہو، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قتادہؒ المتوفی ۱۱۷ھ کوفہ آئے اور ابوبردہ میں ٹھہرے، ایک مجلس میں موصوف نے حلال وحرام کے مسئلے پوچھنے کی اجازت دی، امام ابوحنیفہؒ نے پوچھا ایک عورت کی شادی ہوئی، شوہر برسوں سے غائب ہے، اس نے سمجھا کہ وہ مرگیا ہے، دوسری شادی کی پھر پہلا خاوند آگیا، آپ اس کے مہر کے متعلق کیا فرماتے ہیں، قتادہؒ نے پوچھا کیا ایسا ہوا ہے، امام ابوحنیفہؒ بولے نہیں، فرمایا فرضی مسائل کیوں پوچھتے ہو، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

> **إنا نستعد للبلاء قبل نزوله فاذا وقع، عرفا الدخول فيه و الخروج منه۔ (۱۳۶)**
>
> امتحان کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے، تاکہ جب وہ آئے تو ہم اس میں پھنسنا اور اس سے نکلنا جانتے ہوں۔

اس ترقی یافتہ دور میں منصوبہ بندی زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کا راز ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں بھی اس پر عمل پیرا تھے۔

۲۔ امام مالکؒ کے یہاں صحیح احادیث کا رد

اور یحییٰ بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن غانم سے ابراہیم بن اغلب (۱۴۰۔۱۹۶ھ/ ۷۵۷۔۸۱۲ء) کی مجلس میں سنا وہ لیث بن سعد (۹۴۔۱۷۵ھ/۷۱۳۔۷۹۱ء) سے نقل کرتے تھے کہ لیث کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک بن انس کے مسائل کو شمار کیا تو میں نے پورے ۷۰ ستر مسئلوں میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف پایا یہ وہ مسائل ہیں جن میں امام مالکؒ نے اپنی رائے سے فتویٰ دیا، لیث کا بیان ہے کہ میں نے اس سلسلے میں امام مالکؒ کو لکھا تھا، انہوں نے قبول نہیں کیا۔(۱۳۷)

ہر مجتہد ثقہ راوی کی ہر روایت کو قبول نہیں کرتا، امام مالکؒ نے ستر روایتوں کو قبول نہیں کیا، جیسا کہ آپ کو امام لیثؒ کی تصریح سے معلوم ہوا۔

امام شافعیؒ کے یہاں صحیح حدیثوں کا رد

ہر مجتہد کے یہاں کچھ اصول ہوتے ہیں، ان اصول سے جب کوئی صحیح حدیث ٹکراتی ہے وہ اس حدیث کو رد کرتا ہے، یہ بات امام شافعیؒ کے یہاں بھی موجود ہے۔چنانچہ فقیہ ابواسحاق الشیرازی المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے ہیں کہ:

معتبر وثقہ راوی جب روایت کرے تو اس کی صحیح روایت کو پانچ باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

۱...... ایک یہ کہ جن باتوں کو عقل ضروری قرار دیتی ہے، ان کی وہ مخالفت کرتی ہو، اس بات سے اس کا باطل ہونا معلوم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ شریعت عقل و دانش کی باتوں کو درست قرار دینے کے لئے آئی ہے، خلاف عقل باتوں کے لئے نہیں آئی ہے۔

۲...... دوسری یہ کہ وہ ثقہ کی روایت جو کتاب اللہ کے صریح حکم یا سنت متواترہ کے صریح خلاف ہو۔اس بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے یا وہ منسوخ ہے۔

۳...... تیسری یہ کہ ثقہ کی وہ روایت اجماع کے مخالف ہو یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے، اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے، اس لئے کہ یہ درست نہیں کہ وہ صحیح ہو منسوخ نہ ہو، اور امت

مسلم اس کے خلاف اجماع کر بیٹھے۔

۴ ...... چوتھی بات یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی روایت میں منفرد ہو، جس کا جاننا سب پر ضروری ہے، یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ایک بے بنیاد بات ہے، اس لئے یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل و بنیاد ہو اور عظیم خلقت میں اس کا علم صرف اس کو ہی ہو اور کسی اور کو نہ ہو۔

۵ ...... پانچویں بات یہ کہ ثقہ راوی ایسی روایت میں منفرد ہو جسے عادۃً اہل تواتر سب ہی نقل کرتے ہوں، تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ درست نہیں کہ اس طرح کی روایت میں یہ منفرد ہوگا۔(۱۳۸)

ان حقائق کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ پر صحیح حدیث کے رد کرنے کا الزام دھرنا کیا انصاف کہا جا سکتا ہے۔

اور علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ علمائے امت میں کسی عالم کو میں ایسا نہیں پاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ثابت کرتا ہو اور

۱۔ اس جیسی حدیث سے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کئے بغیر اسے رد کرتا ہو، یا

۲۔ اجماع کے خلاف ہونے کا یا

۳۔ ایسے عمل کے مخالف ہونے کا جس کی پیروی لازم ہے یا

۴۔ اس کی سند میں طعن کا دعویٰ کئے بغیر حدیث کا رد کرتا ہو، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی چہ جائے کہ اس کو امام بنایا جائے۔ اس کے ساتھ اس پر فسق کا گناہ بھی آئے گا۔(۱۳۹)

۳۔ امام اعظم پر ارجا کا الزام

وہ امام ابو حنیفہؒ سے ارجا کے قائل ہونے کی وجہ سے بھی دشمنی رکھتے ہیں، حالانکہ اہل علم میں بہت سے علما کی طرف ارجا کی نسبت ثابت ہے، لیکن کسی نے اُن کی نسبت نازیبا و نامناسب باتیں نقل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، جیسی کہ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی بابت نقل کرنے میں دلچسپی لی ہے، اس لئے کہ انہیں امامت کا رتبہ حاصل ہے مگر انہیں یہ درجہ حاصل نہیں۔(۱۴۰)

یہاں یہ بات سمجھنی چاہئے کہ دل سے اللہ تعالیٰ کو لائق عبادت جاننا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کو اللہ کا بندہ و رسول ماننا اور زبان سے اس امر کا اقرار کرنا ایمان ہے، اس کا ثمرہ و نتیجہ جہنم کی آگ سے نجات ہے۔

ایمان کی مذکورہ بالا تعریف سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، جوارح (ہاتھ پاؤں) سے جو کام انجام پاتا ہے، اسے عمل کہا جاتا ہے، ایمان اور عمل دونوں جداگانہ چیزیں ہیں، لہٰذا ہر ایک کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عمل کے چھوٹ جانے سے ایمان کا اس حیثیت سے کچھ نہیں بگڑتا کہ وہ اسے دائرۂ ایمان سے خارج کرتا ہو، دلیل اس بات کی یہ ہے کہ قرآن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے کو ''مومن'' کے لفظ سے یاد کرتا ہے چنانچہ آیہ شریفہ میں ارشاد ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج (۱۴۱)

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کراؤ۔

قتال بلاشبہ کبیرہ گناہ ہے لیکن قرآن کریم نے ان باہم لڑ پڑنے والوں کو ''مومنین'' کے لفظ سے یاد کیا ہے، اسلام سے خارج نہیں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں، ایک دوسرے کا جز نہیں ہیں، عمل کو اگر ایمان کا جز مانا جائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو، وہ شخص مؤمن بھی نہ ہو۔

معتزلہ و خوارج اس کو جزء ایمان سمجھتے ہیں، اس لئے خوارج ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔ معتزلہ ایسے شخص کو نہ کافر کہتے ہیں نہ مومن مانتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے، اللہ تعالیٰ کو اختیار رہے اسے سزا دے یا معاف کرے، ایمان و عمل کے درمیان فرق کی وجہ سے محدثین امام ابوحنیفہ اور ان کے نامور شاگرد امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفر، حسن بن زیادؒ وغیرہ کو مرجئہ کہتے ہیں۔ ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں، اعمال میں کوتاہی کرنے والوں اور فرائض کو پابندی سے ادا نہ کرنے والوں کے معاملہ کو آخرت میں اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں اور فی الفور اس کے جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگاتے، اس لئے محدثین ان پر ارجاء کا الزام لگاتے ہیں اور انہیں مرجئہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ مرجئہ مرحومہ کہلاتے ہیں اور رجوع الفور حکم لگا کر اسے

جہنمی کہتے ہیں، انہیں مرجئہ ملعونہ اور مرجئہ ضالہ کہا جاتا ہے۔ ان سے اہل سنت والجماعت کا کوئی تعلق نہیں، محدثین کا ارجاء کی تہمت سے درپردہ اشارہ اس طرف ہوتا ہے۔

محدثین کرام کا مذہب ایمان وعمل میں تفریق کا نہیں ہے، چنانچہ حافظ عبدالرزاق بن ہمام صاحب المصنف (۱۲۶۔۲۱۲ھ) کا بیان ہے:

سمعت مالکاً، والاوزاعی، وابن جریج، والثوری و معمراً یقولون: الإیمان قول و عمل، یزید و ینقص۔ (۱۴۲)

میں نے امام مالکؒ، اوزاعیؒ، ابن جریجؒ، سفیان ثوری اور معمرؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ یہ بڑھتا گھٹتا ہے۔

اس لئے بھی یہ حنفیہ پر طعن کرنے سے نہیں چوکتے۔

ائمہ اسلام اور علماء خراسان میں سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد حافظ ومحدث خراسان ابراہیم بن طہمان نیشاپوری المتوفی ۱۶۳ھ جو صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں، ان کے متعلق جب سفیان بن عیینہؒ المتوفی ۱۹۸ھ نے اپنے شاگرد ابوالصلت عبدالسلام ہروی المتوفی ۲۳۶ھ سے کہا:

ماقدم علینا خراسانی أفضل من أبی الرجاء عبداللّٰہ بن واقد الھروی۔

ہمارے پاس کوئی خراسانی ابوالرجاء عبداللہ بن واقد الہروی المتوفی بعد ۱۲۰ھ سے زیادہ بڑھ کر عالم نہیں آیا۔

ابوالصلت نے عرض کی: ابراہیم بن طہمان بھی آئے تھے، ابن عیینہ نے کہا "**کان ھو مرجأً و مرجئہ**" میں سے تھا، پھر ابوالصلت نے کہا:

لم یکن إرجاء ھم ھذا المذھب الخبیث بأنّ الایمان قول بلاعمل و أن ترک العمل لایضر بالإیمان، بل کان إرجاؤھم أنھم یرجون لأھل الکبائر الغفران رداً علی الخوارج وغیرھم، الّذین یُکَفِّرون الناس بالذنوب۔

ان کا ارجاء اس گمراہ اور خبیث مذہب کا جیسا نہیں تھا کہ ان کا (عقیدہ) ایمان بلاعمل

ہے کہ ترک عمل ایمان کو ضرر نہیں پہنچاتا بلکہ ان کا ارجاء یہ ہے وہ کبیرہ گناہ کرنے والے گنہگاروں کی مغفرت کا معاملہ آخرت میں اللہ تعالیٰ پر مؤخر رکھتے ہیں، وہ چاہے انہیں سزا دے اور چاہے نہ دے۔ یہ خوارج و معتزلہ وغیرہ پر رد ہے۔

جو گنہگار لوگوں کو ان کے گناہوں کے سبب کافر کہتے، اور مسلمان نہیں سمجھتے، ان سے جنگ کرتے ہیں، یہ عقیدہ مرجئہ ضالہ (گمراہ) کا ہے۔ اور جس عقیدہ کا اوپر ذکر آیا ہے وہ مرجئہ مرحومہ کا ہے یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

محدث و حافظ خراسان ابراہیم بن طہمان کئی شاگرد امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ اوپر آیا ان کے علم و فضل اور حدیث میں ان کے مقام کا اندازہ امام اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۷ھ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

کان صحیح الحدیث، کثیر السّماع، ماکان بخراسان اکثر حدیثاً منه وهو ثقة۔ (۱۴۳)

ابراہیم بن طہمان کے پاس صحیح حدیثیں تھیں، موصوف نے کثرت سے سماع کیا تھا، خراسان میں ان سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں نہیں تھیں۔

تقویٰ و پرہیزگاری میں ان کے مرتبے کا اندازہ امام ابوزرعہ کے بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

کنت عند احمد بن حنبل فذکر إبراهیم بن طهمان، وکان متکئاًمن علة فجلس، وقال: لاینبغی أن یذکر الصالحین فیتکأ۔

میں امام احمد بن حنبلؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ ابراہیم بن طہمان کا ذکر آیا امام احمدؒ (بیماری کی وجہ سے) تکیے کے سہارے سے بیٹھے تھے، تو سہارا چھوڑ کر ادب سے بیٹھ گئے اور فرمایا یہ مناسب نہیں کہ بزرگوں کا ذکر آئے اور آدمی تکیے کے سہارے بیٹھا رہے۔

یہ تھا ابراہیم بن طہمان کا علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں مقام، اب ذرا ان کے متعلق محدثین کے ارجاء کے اقوال بھی سنئے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں:

کان مرجئا شدید اعلی الجهمیة :

یہ ارجا کا قائل تھا، جہمیہ کی تردید میں بہت سخت تھا۔ ابو حاتم رازی المتوفی ۲۷۷ھ فرماتے ہیں:

شیخان بخراسان مرجئان۔ ابو حمزہ السکری و ابراهیم بن طهمان و هماثقتان،

خراسان میں دو شیخ الحدیث ہیں، اور وہ مرجئہ میں سے ہیں، ابو حمزہ سکری اور ابراہیم بن طہمان اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

امام دار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ فرماتے ہیں:

ثقة إنما تكلموا فيه للإرجاء،

یہ ثقہ ہے، اور ارجا کی وجہ سے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔

نامور مجتہدین اور ائمہ حدیث کا تعلق مرجئہ اہل سنت والجماعت سے ہے۔ حافظ علامہ احمد بن علی البیکندی السلیمانی المتوفی ۴۰۴ھ نے جب امام سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے شیخ علامہ حافظ مسعر بن کدام (جو حدیث میں حجت مانے جاتے تھے، اور جنہیں پختگی و اتقان علم کی وجہ سے مصحف کہا جاتا تھا۔) کی اور دوسرے ائمہ مجتہدین اور حفاظ حدیث کی نسبت فرمایا کہ وہ مرجئہ میں سے تھے تو علامہ شمس الدین الذہبی اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لاعبرة بقول السليماني كان من المرجئة مسعر وحماد بن أبي سليمان، و النعمان، و عمرو بن مرة، و عبدالعزيز بن رُوَّاد، وابومعاوية، و عمر بن زر ...... (۱۴۴) و سرد جماعة، قلت الارجاء مذهب لعدة من جلة العلماء ولا ينبغي التحامل على قائله۔ (۱۴۵)

حافظ السلیمانی کے اس قول کا کہ (ع) مسعر (۱۵۲ھ/۷۶۹ء) حماد بن ابی سلیمان (۰۰۔۱۲۰/۰۰۔۷۳۸ء)، نعمان (۸۰۔۱۵۰ھ/ ۶۹۰۔۷۶۷ء) ۔ عمرو بن مرہ (۱۱۶ھ/۷۳۴ء)۔ عبدالعزیز بن ابی رواد (۰۰۔۱۵۹ھ/۰۰۔۷۷۶ء) ۔ ابومعاویہ (۰۰۔۱۹۵ھ/۰۰۔۸۱۱ء) س۔ عمر بن ذر (۰۰۔۱۵۶ھ/۰۰۔۷۷۳ء) اور ایک جماعت کو نام بنام بیان کیا ہے اور کہا کہ یہ مرجیۂ (ضالہ) میں سے ہیں۔ میں کہتا ہوں ارجاء جلیل القدر علما کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اس عقیدے کو اختیار کرنے اور اس

کے ماننے والوں پر زیادتی کرنا اور ارجا کا الزام ان پر دھرنا مناسب نہیں۔

ارجا کے مسئلے میں بعض حنفی حفاظ کے غلو اور ان کی بعض نا مناسب تعبیرات نے اہل علم پر برا اثر ڈالا، چنانچہ شیخ الحرم حافظ عبدالمجید بن عبدالعزیز مکی المتوفی ۲۰۶ھ جو بڑے عابد و زاہد بھی تھے لیکن ارجا کے مسئلے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ موصوف کے متعلق فرماتے تھے:

کان فیہ غلو فی الإرجاء

موصوف ارجا میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور علامہ شمس الدین ذہبی موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

ارجا کے مسئلے میں گرفتار اس شخص سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور ہمیں اور تمہیں سنت کی مخالفت سے بچائے۔ اس امت کے کثیر تعداد میں علما ارجا کے قائل تھے، انہوں نے اپنے اس قول (**انا مومن حقاً عنداللہ الساعۃ**) میں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً مومن ہوں کو اپنا کیوں مذہب نہیں بنایا، اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ وہ نہیں مانتے کہ مومن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کفر پر، مذکورہ بالا جملہ زبان سے نکالنا بدعت ہے۔ (یعنی متقدمین مرجعہ نے جب یہ قول (**انا مومن حقاً الخ**) اختیار نہ کیا تو متاخرین کا اس قول کو اختیار کرنا بدعت ہے) اور غالی مرجۂ کی یہ بات بھی بہت سخت ہے کہ ایمان صرف دلوں کا اعتقاد ہے، نماز کا چھوڑنے والا، زکوٰۃ نہ دینے والا، شراب کا پینے والا، لوگوں کو جان سے مارنے والا، زنا کرنے والا، ایسے تمام لوگ کامل الایمان ہیں، یہ جہنم میں نہیں جائیں گے، اور انہیں کبھی عذاب نہ ہوگا۔

انہوں نے شفاعت کی متواتر حدیثوں کو رد کیا، ہر فاسق و فاجر کو، ہر ڈاکو کو، بربادی و تباہ کرنے والی باتوں پر دلیرانہ عمل کرنے کا پروانہ دے رکھا ہے، رسوائی سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (۱۴۶)

فطانت، ذہانت، سبب حسد

مذکورۂ بالا خوبیوں سے آراستگی کے باوجود ان سے حسد کیا جاتا ہے اور امام موصوف کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کی جاتی ہے، جو ان میں نہیں ہیں اور ان کی نسبت ایسی باتیں گھڑی جاتی ہیں، جو ان کی شان کے لائق ہی نہیں ہیں، حالانکہ علما کی ایک جماعت نے امام موصوف کی تعریف کی اور ان کی عظمت و فضیلتِ شان کو بیان کیا ہے، (۱۴۷) ابن عبدالبر کہتا ہے: وہ اہل علم جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی

ہے، انہوں نے امام موصوف کی توثیق کی ہے، ان کی تعریف کرنے والوں کی تعداد مذمت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ پر نکتہ چینی کے دو اہم سبب

امام ابوحنیفہؒ پر نکتہ چینی کا ایک سبب موصوف کا رائے وقیاس (فقہی بصیرت) سے زیادہ کام لینا ہے۔ دوسرا ارجا کا قائل ہونا ہے۔

اسلاف میں بڑائی کا معیار

اسلاف میں بڑائی کا معیار لوگوں کا ان کے متعلق متضاد رائے رکھنا ہے، اور یہ مشہور بات ہے کیا تم حضرت علیؓ کی طرف نہیں دیکھتے؟ ان دو گروہ میں ایک حد سے زیادہ چاہنے والا، دوسرا حد سے زیادہ بغض و کینہ رکھنے والا، چنانچہ حضرت علیؓ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ دو آدمی برباد ہوں گے (ایک) حد سے زیادہ محبت کرنے والا (دوسرا) کینہ رکھنے والا اور بہتان باندھنے والا، قدر و منزلت رکھنے والوں کی یہی صفت ہوتی ہے جو دینداری و فضل وکمال میں انتہا کو پہنچے ہوتے ہیں۔ (۱۴۸)

حضرت امام ابوحنیفہؒ پر طعن وتشنیع کا ثمرہ

باایں ہمہ فضل وکمال اور قبولیت وشہرت، امام ابوحنیفہؒ پر بہت طعن وتشنیع کی گئی، مستقل کتابیں اور رسالے لکھے گئے، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا اس کے متعلق محقق عبدالعزیز المتوفی ۷۳۰ھ شرح اصول بزدوی میں تحریر فرماتے ہیں:

> **وقد طعن الحساد في حقه بهذا الجنس كثيراً، حتى صنفوا في طعنه كتباً و رسائل، ولكن لم يزده طعنهم إلا شرفاً و علواً، ورفعة بين الأنام و سمواً، فشاع مذهبه في الدنيا، و اشتهر و بلغ أقطار الأرض نور علمه و انتشر۔ (۱۴۹)**
>
> اور حاسدوں نے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اس قسم کے بے سروپا اعتراضات بہت کئے ہیں، لیکن اس طعن وتشنیع نے ان کی عزت وشرف میں اضافہ کیا اور خلق خدا میں ان کی سرفرازی اور بلندی کو بڑھایا، چنانچہ امام کا مذہب دنیا میں خوب پھیلا، پھلا پھولا اور چاردانگ عالم میں ان کے علم کی روشنی پہنچی اور ان کے علم کی خوب نشر واشاعت ہوئی۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ یہاں امر ملحوظ خاطر رہے کہ تابعین کرامؒ کا عہد ۱۸۰ھ ۷۹۶ء میں ختم ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ سراج الدین معروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ "المقنع فی علوم الحدیث" مکہ، دارالفواز النشر، ۱۴۱۳ھ ۲/ ۵۱۵ میں اور صاحب تدریب الراوی، طبعہ مکہ ۱۳۷۹ھ ص ۴۳۳، رقمطراز ہیں کہ

اوّل التابعین وفاۃ ابو زید معضد بن زید سنة ثلاثین فی خلافة عثمان و آخرهم خلف بن خلیفه، مات بعد ثمانین

تابعین میں سب سے پہلے وفات پانے والے ابو زید معضد بن زید تھے، موصوف خلافت عثمانی ۳۰ھ میں شہید ہوئے تھے۔ اور تابعین میں سب سے آخر میں انتقال کرنے والے خلف بن خلیفہؒ تھے، موصوف کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا تھا۔

۲۔ مقدمہ کتاب التعلیم، تالیف مسعود بن شیبہ السندی، حیدرآباد السندھ، لجنۃ احیاء الادب السندی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۳۴،

۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۳۶،

۴۔ تکویش الصحیفہ، طبع دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۳۴ھ ص ۳۶،

۵۔ فضیل بن غزوان الضبی الکوفی (بعد ۱۴۰ھ) کا تذکرہ ذہبیؒ نے الامام المحدث الثقہ کے الفاظ سے کیا ہے۔ یہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس اور سالم بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں:

محمد بن فضیل، عبداللہ بن المبارک اور یحییٰ القطان وغیرہ موصوف سے روایت کرتے ہیں امام احمد بن حنبل وغیرہ نے موصوف کو ثقہ قرار دیا۔

یہ ایسے بلند پایہ فقہا میں سے ہیں جن کی راتیں فقہی مسائل کی بحث میں گزرتی تھیں، لامحالہ موصوف کا تذکرہ علامہ شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور ابن حزم اندلسیؒ سے غیر معمولی جستجو کے باوجود نام رہ گیا بلکہ اور بھی ایسے کتنے فقہاء و مجتہد ہوں گے جن کا تذکرہ و نام ان سے رہ گیا ہوگا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۲۰۳، تہذیب الکمال، بیروت، دارالمامون للتراث، ج ۲، ص ۱۵)

Alsera.T

۶۔ مغیرہ بن مقسم الضبی مولاھم الاعمیٰ الکوفی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، مورخ ذہبیؒ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔ الامام، العلامہ الثقہ الضبی الکوفی الاعمٰی، صغار تابعین میں موصوف کا شمار ہوتا ہے، عکرمہ، ابراہیم نخعی اور شعبی کے شاگرد ہیں، تابعین میں سلیمان تیمیؒ نے موصوف سے روایت کی ہے۔ شعبہ کا بیان ہے کہ یہ حکم اور حماد دونوں سے بڑے حافظ تھے اور ابوبکر بن عباس کہتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ۶/۱۱)،

ما رأیت افقه منه

میں نے موصوف سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا چنانچہ میں ان سے چمٹا رہا، جریر بن عبدالحمید نے موصوف کے حفظ کے متعلق خود مغیرہ کا قول نقل کیا کہ "ما وقع فی مساعی شئی فنسیته" میرے کانوں میں کوئی چیز پڑی ہو پھر میں اس کو بھولوں ایسا نہیں ہوا، اس پر علامہ الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

ھذا واللّٰه الحفظ، لا حفظ من درس کتاباً مرات عدۃ، حتی عرضه، ثم علیه، ثم درسه فحفظه، ثم نسیه أو اکثره (ایضاً)

واللہ حفظ یہ ہے، اس کا حفظ نہیں جس نے کتاب کئی بار پڑھائی، یہاں تک کہ اسے طلبہ میں پیش کیا انہیں پڑھائی، سنائی۔ پھر اس پر توجہ کی اور محفوظ کر لی، پھر اسے پڑھایا تو یاد کیا پھر اسے بھول گئے یا اس کا اکثر حصہ ذہن سے جاتا رہا۔

حافظ عجلی المتوفی ۲۶۱ھ فرماتے ہیں:۔

مغیرہ ثقة فقیه کان من فقھاء اصحاب ابراھیم، و کان اعمیٰ (تاریخ الثقات ص ۴۳۷، و سیر اعلام النبلاء، ۶ ص ۱۲)

مغیرہ، ثقہ اور فقیہ تھے، ابراہیم نخعی کے شاگردوں میں سے تھے اور اندھے تھے۔

ابن سعد کا بیان ہے:

کان ثقة کثیر الحدیث (الطبقات الکبریٰ، ج ۶، ص ۳۳۷) مغیرہ ثقہ اور ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ بہت تھا۔

امام کا قول ۱۳۳ھ اور ابن معلی فرماتے ہیں ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے دوسری صدی ہجری کی تیسری دہائی تک فقہا کا جن میں اندھے بھی ہوتے راتوں میں فقہی مسائل پر بحث کا معمول تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی کے شاگرد اس سنت متواترہ

پر گامزن رہے، پھر امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے اس طریقہ کو اپنایا اور یہ طریقہ امام ابو بکر الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ کے زمانے تک اس پر عمل جاری تھا (احکام القرآن للجصاص، ج ۲، ص ۵۹۰،

۷۔ تاریخ الاسلام، (حوادث و وفیات ۱۳۱۔۱۴۰ھ) ص ۵۴۲،

۸۔ اصول السرخسی، مصر، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۲ھ ج ۲، ص ۱۱۳ (وله) المحررفی اصول الفقه، بیروت، دار الکتب العلمیه، ۱۹۹۶ء، ۲/ ۸۷،

۹۔ استصحاب حال یہ ارباب اصول کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم ثابت کرنے والا اس چیز کو باقی رکھنے والا نہیں ہے، اس لئے کہ ایک چیز کی ایجاد اور ہے اور اس چیز کو باقی رکھنا اور بات ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ جس دلیل نے اس کو زمانۂ ماضی میں وجود بخشا ہے وہ دلیل اس کو زمانۂ حال میں باقی رکھنے والی ہو، اس لئے کہ بقا عرض ہے جو وجود کے بعد لاحق ہوتی ہے، عرض اس چیز کی عین اور ذات نہیں ہے، لہٰذا وجود سے بقا کی نفی کرنا درست ہے، چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ ایک چیز وجود پذیر ہوئی اور باقی نہیں رہی، لہٰذا اب بقا کے لئے ایک جداگانہ سبب درکار ہے، تو تنہا استصحاب کے حکم سے بقا کا حکم کرنا بغیر دلیل کے حکم لگانا ہے اور یہ بات درست نہیں، اس کے لئے جداگانہ دلیل کی حاجت ہے اور وہ موجود نہیں، (کشاف اصطلاحات الفنون، لاہور، سہیل اکیڈیمی ۱۹۹۳ء، ج ۱، ص ۸۰۹)

۱۰۔ کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، کراچی، اصح المطابع، ۱۳۸۶ھ، ص ۴۔۵،

۱۱۔ احمد بن محمد الطحاوی، مختصر الطحاوی، القاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۰ھ، ص ۳۳۲،

۱۲۔ ابن قیم جوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، بیروت، دار الجیل ب ت، ج ۲، ص ۴۷،

۱۳۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۹، (التاسع عشر من علوم الحدیث)

۱۴۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۳۹۶،

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۹۴،

۱۶۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۱،

۱۷۔ ایضاً،

۱۸۔ مقدمہ الجرح والتعدیل، ج ۱، ص ۵۹۔۶۰، المحدث الفاصل ص ۶۱۴، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۱ و ۳۶،

۱۹۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۴۹۶،

Alsera.T

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۲۱۔ شرح نخبۃ الفکر، الرحیم اکیڈیمی، کراچی، ص ۱۱۲،

۲۲۔ کتاب المعین فی طبقات المحدثین، عمان، دار الفرقان، ۱۹۸۴ء، ص ۵۱۷ و ۵۱،

۲۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۳۹۱،

۲۴۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۵۱۷،

۲۵۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۵، ص ۱۵۸،

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ ایضاً، ج ۶، ص ۳۲،

۲۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۷۹،

۲۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۴/ ۲۹۸،

۳۰۔ ایضاً،

۳۱۔ ایضاً، ۴/ ۲۹۹،

۳۲۔ ایضاً، ۴/ ۳۰۰،

۳۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۸۲،

۳۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۴/ ۳۰۲،

۳۵۔ ایضاً، ۵/ ۳۹،

۳۶۔ ایضاً، ۵/ ۴۳،

۳۷۔ ایضاً،

۳۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۹۰،

۳۹۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۲۴،

۴۰۔ مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث، محمد عبدالرشید النعمانی، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۵ھ، ص ۸۲۔۸۳،

۴۱۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۷، ص ۲۳۶، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۵،

۴۲۔ تاریخ الثقات للعجلی، ص ۴۵۰، (۱۶۹۴)

۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج۸، ص۹۴، (ترجمہ امام مالک)

۴۴۔ ایضاً،

۴۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۹۳، (ترجمہ شعبہ رقم ۱۰۷)

۴۶۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص۵۹۳، (ترجمہ حماد بن سلمہ رقم ۲۲۵۱)

۴۷۔ الانتقاء، ص۱۲۷،

۴۸۔ الانتقاء، ص۱۲۶، اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للصیمری، ص۸۰،

۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۹۸، (رقم ۲۸۰)

۵۰۔ ایضاً،

۵۱۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۳۴۵۔۳۴۶، الانتقاء، ص۱۳۲، تھذیب الکمال للمزی، ج۳، ص۱۴۱۷،

۵۲۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۳۴۵، الانتقاء، ص۱۳۲، تھذیب الکمال، ج۳، ص۱۴۱۷،

۵۳۔ مقدمہ کتاب التعلیم، تحقیق محمد عبدالرشید النعمانی، حیدرآباد پاکستان، لجنۃ احیاء الادب السندی، ۱۳۸۳ھ ص۱۳۴،

۵۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۲، ص۴۳۰،

۵۵۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج۲، ص۴۳۰،

۵۶۔ جامع بیان العلم، ج۲، ص۱۴۹،

۵۷۔ الانتقاء، ص۱۲۷،

۵۸۔ تہذیب الکمال، طبع بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۴ھ ج۱۹، ص۱۰۵،

۵۹۔ ایضاً،

۶۰۔ جامع بیان العلم، ج۲، ص۱۴۹،

۶۱۔ ایضاً،

۶۲۔ ایضاً،

۶۳۔ جامع المسانید، ج۱، ص۵۵۵،

۶۴۔ صحیح الترمذی، شرح ابن العربی المالکی، مصر، مطبعۃ الصاوی، ۱۳۵۲ھ، ج۱۳، ص۲۰۹، وتہذیب الکمال ج۱۹، ص۱۱۸،

۶۵۔ الکامل فی ضعفاء الرجال، تالیف عبداللہ بن عدی الجرجانی، بیروت، دارالفکر ج ۱، ص ۵۳۷، کتاب الضعفاء الکبیر تالیف محمد بن عمرو العقیلی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ج ۳، ص ۱۶۶، جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص ۱۳۵،
۶۶۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، بیروت، دارالفکر ۱۴۰۴ھ ص ۳۲۰،
۶۷۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثة الفقہاء، مصر، مکتبة القدسی، ۱۹۳۰ء، ص ۱۳۶، تہذیب الکمال ج ۱۹، ص ۱۱۱،
۶۸۔ تاریخ الاسلام للذہبی، بیروت، دارالکتاب العربی ۱۴۱۱ھ ص ۳۰۷، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، بیروت، دارا حیاء التراث العربی ب ت، ج ۱، ص ۲۲۸،
۶۹۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۶،
۷۰۔ تہذیب الکمال، ج ۱۹، ص ۱۱۱،
۷۱۔ تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۴۲۱،
۷۲۔ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج ۲، ص ۳۰۷،
۷۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۵، ص ۲۳۶، (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)
۷۴۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ، مصر، دارالکتاب العربی، ۱۳۶۶ھ ص ۴۱،
۷۵۔ تاریخ بغداد، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ج ۲، ص ۱۷۶، تذکرہ محمد بن الحسن الشیبانی، و ج ۱۴، ص ۲۴۶،
۷۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۷۹،
۷۷۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۴۰،
۷۸۔ اصول الجصاص، ج ۲، ص ۱۷۲، اصول السرخسی، ج ۲، ص ۱۰۵، المحرر فی اصول الفقہ، ج ۲، ص ۸۲،
۷۹۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۰،
۸۰۔ ایضاً، ص ۳۳۹،
۸۱۔ ایضاً، ص ۳۴۵،
۸۲۔ جامع الترمذی، دہلی، مطبع احمدی، ۱۲۶۶ھ ص ۱۲۶، (باب غسل المیت)
۸۳۔ تاریخ الاسلام، ص ۳۰۶، (ترجمہ ابوحنیفہؒ)

۸۴۔ سیر اعلام النبلاء، ج ٦، ص ۳۹۳،

۸۵۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۳،

۸۶۔ ایضاً، ص ۳۵۲،

۸۷۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص ۱۳۰۔۱۳۱،

۸۸۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۲۱،

۸۹۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ٦٦،

۹۰۔ تهذیب الکمال فی اسماء الرجال لابی الحجاج یوسف المزی، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ، ج ۱۷، ص ۱۱۷،

۹۱۔ الصیمری، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۲۴، الانتقاء، ص ۱۴۲، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳٦۸، مناقب الامام ابی حنیفہ صاحبیہ، ص ۲۰، تهذیب التهذیب، ج ۱۰، ص ۳۴۰۔۳۴۲،

۹۲۔ المحرر فی اصول الفقه، بیروت، دار الکتب العلمیه، ۱۴۱۷ھ، ج ۲، ص ۸۵،

۹۲۔الف۔ ایضاً،

۹۲۔ب۔ اصول السرخسی، ۱/۳۱۳،

۹۳۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، لاهور، هیئة الاوقاف بحکومة البنجاب، ۱۹۷۱ء، ص ۱۸،

۹۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج ۲، ص ۴۱۹،

۹۵۔ ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ، کراچی، نور محمد، ص ۴۷،

۹٦۔ اصول الجصاص، ج ۲، ص ۱۴۰، اصول السرخسی، ج ۲، ص ۱۱۴، المحرر فی اصول الفقہ، ج ۲، ص ۸۸،

۹۷۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۷،

۹۸۔ ایضاً،

۹۹۔ اخبار ابی حنیفة واصحابه للصیمری، ص ۴۷، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۲، الجواهر المضیه، فی طبقات الحنفیه، حیدر آباد دکن، مطبعة دائرة المعارف النظامیه، ۱۳۳۲ھ، ج ۱، ص ۲۵۰،

۱۰۰۔ تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۵ ـ ٦، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں، تالیف راقم السطور، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۰ھ ص ۳۴۳،

۱۰۱۔ الجواہر المضیہ، ج ۱، ص ۱۸۱، (ترجمہ حاتم بن اسماعیل، رقم ۴۱۱)

۱۰۲۔ تاریخ بغداد ج ۵، ص ۳۲۲، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں، ص ۳۴۴ ـ ۳۴۵،

۱۰۳۔ ایضاً،

۱۰۴۔ الجواہر المضیہ، ج ۱، ص ۱۴۰،

۱۰۵۔ مقدمۃ کتاب التعلیم تالیف مسعود بن شیبہ السندی، حیدرآباد دکن، ۱۳۸۴ھ ص ۱۳۳، اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک ورویۃ ابی حنیفۃ عن مالک، تالیف محمد زاہد الکوثری، طبع ۱۴۰۸ھ ص ۹۷،

۱۰۶۔ اقوام المسالک، ص ۹۹،

۱۰۷۔ **تبییض الصحیفہ**، حیدرآباد دکن، مطبع دائرۃ المعارف، ۱۳۳۴ھ ص ۳٦،

۱۰۸۔ **مناقب الامام الاعظم لصدر الائمہ موفق بن احمد المکی، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ،** ۱۴۰۷ھ، ج ۱، ص ٦۸،

۱۰۹۔ الجواہر المضیہ، ج ۲، ص ۲٦۵ ـ ۲٦٦، میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۵۷۴، ابومطیع بلخیؒ کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عبداللہ بن المبارکؒ سے ان کی تعدیل منقول ہے، چنانچہ سید الحفاظ یحییٰ بن معینؒ نے اپنے شاگرد احمد بن محمد بغدادی سے فرمایا تھا:

فماظنک بمن عدلہ ابن المبارک ووکیع (مناقب امام الاعظم للکردری، ج ۱ ص ۹۱) تمہارا کیا خیال ہے جس کی توثیق وتعدیل عبداللہ بن المبارک اور وکیع نے کی ہو

۱۱۰۔ تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳۳۸،

۱۱۱۔ تاریخ ابن عساکر ترجمہ سابق بن عبداللہ معروف بالبربری،

۱۱۲۔ طبقات الفقہا، بغداد المکتبۃ العربیہ، ۱۳۵٦ھ ص ۱۳۲،

۱۱۳۔ **وفیات الاعیان لابن خلکان،** تحقیق احسان عباس، بیروت، دار صادر، ج ۱، ص ۷۱،

۱۱۴۔ الفہرست، ابن ندیم تحقیق رضا تجدد، کراچی، نور محمد اصح المطابع، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰٦،

۱۱۵۔ مناقب الامام الاعظم لصدر الائمہ، ج ۲، ص ۱۳٦ ـ ۱۳۷، "مقدمۃ کتاب التعلیم، ص ۱٦٦،

۱۱٦۔ تاریخ بغداد ج ۸، ص ۱٦٦، (ترجمہ جعفر بن یونس رقم ۴۲۷۱)

۱۱۷۔ سیر اعلام النبلاء، ج۵، ص۲۳۶، (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)

۱۱۸۔ تاریخ بغداد، ج۵، ص۳۴۷، الانساب، ج۵، ص۶۳۶، (الہروانی)

۱۱۹۔ سیر اعلام النبلاء، ج۱۷، ص۴۰۲،

۱۲۰۔ ایضاً، ص۲۳۶،

۱۲۱۔ ابن حجر، العسقلانی تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ ص۱۰۸،

۱۲۲۔ تبییض الصحیفه فی مناقب الامام أبی حنیفه، ص ۳۶،

۱۲۳۔ مناقب الامام الاعظم، ج۱، ص۹۵، محمد عبدالرشید نعمانی، امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ۱۶۴،

۱۲۴۔ رفع الاعلام عن الائمة الأعلام، دمشق، ۱۹۴۰، ص۱۲،

۱۲۵۔ الأنساب، ج۵، ص۳۳۵، (مطری)

۱۲۶۔ ایضاً،

۱۲۷۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص۲۲۵، (ذکر النوع التاسع والا ربعین من علوم الحدیث)

۱۲۷، الف۔ ترمذی، رقم الحدیث ۲۳۰۲،

۱۲۸۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص۱۱،

۱۲۹۔ المحرر فی اصول الفقہ، ج۱، ص۲۸۳۔۲۸۴، سیر اعلام النبلاء، ج۶، ص۴۰۱،

۱۳۰۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۳۱۹، الکفایه فی علم الروایه للخطیب، ص۲۳۱،

۱۳۱۔ المیزان الکبریٰ، مصر، المطبعة الحسینیه، ۱۳۳۱ھ، ج۱، ص۶۴،

۱۳۲۔ رسالۃ فی الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بما لا یوجب ردہم، کراچی، الرحیم، اکیڈمی، ۱۴۱۲ھ ص۸۹،

۱۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج۸، ص۴۴۸،

۱۳۴۔ کتاب الثقات، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۰ھ، ج۷، ص۹۷۔۹۸، الانساب، ج۴، ص۱۷۸،

۱۳۵۔ کشف الاسرار، آستانہ، زین العابدین آفندی، ج۳، ص۷۴،

۱۳۶۔ جامع بیان العلم، ج۲، ص۱۴۸،

۱۳۷۔ کتاب اللمع فی اصول الفقہ، مصر، مصطفی البابی، الحلبی، ۱۹۳۹ء، ص۴۴،

۱۳۸۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج۲، ص۱۴۸،

۱۳۹۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۳۴۸، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص۳۶،

۱۴۰۔ جامع بیان العلم، ایضاً، ج۲، ص۱۴۹۔۱۵۰،

۱۴۱۔ سورۃ الحجرات، آیت ۹،

۱۴۲۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۷، ص ۲۵۲، (تذکرہ سفیان ثوری)

۱۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۷، ص ۲۸۲،

۱۴۴۔ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخوں میں "عمرو بن ذی" چھپا ہے، صحاح الستہ کے رواۃ میں اس نام کا کوئی راوی ہمیں نہیں معلوم، والصحیح ماثبتنا،

۱۴۵۔ الذہبی، میزان الاعتدال، ج ۴، ص ۹۹،

۱۴۶۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۹، ص ۴۳۶،

۱۴۷۔ جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۱۴۸،

۱۴۸۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔۱۴۹،

۱۴۹۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ج ۳، ص ۶۲۷،

رحمانیہ

سوئیٹس

اینڈ ڈیری

REHMANIA SWEETS &
DAIRY

﴿بالمقابل فردوس سینما، ٹھنڈی سڑک۔ حیدرآباد﴾

☆۔ نگران شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی،